ABSTRACTS

A study of Akhtar Sherani's Romantic Poetry.

Akhtar Sherani made significant contribution to the development of Urdu romantic poetry as a genuine exponent of this kind of verse. His poetry comprises of nine books. His poetry is characterized mainly by poignancy of imagination and emotions, romantic longings, passionate interest in life and universe, celebration of splendor, passion for love, praise of famine magnificence, random thoughts, transcendentalism, vagabondism, carving for revolution, nostalgia, indulgence, ideology of life and nature landscaping become popular and repeated themes in his verse, expressed in charming words with unusual poetic devices. Akhtar Sherani would long be remembered in the arena of Urdu literature due to his poetic genius.

فرخندہ جمال

اختر شیرانی کی ادبی خدمات کا تعارف

تعارف: خاندانی پس منظر اور حالات زندگی۔

اختر شیرانی ایک علمی و ادبی گھرانے کے چشم و چراغ ہیں ان کے والد حافظ محمود شیرانی اردو ادب میں اپنی محققانہ انداز فکر اور تاریخ کے حوالے سے بلند شہرت کے حامل ہیں۔

اختر شیرانی نے ۱۹۰۵ء میں جنم لیا۔ نام محمد داؤد خاں رکھا گیا اور آپ نے تخلص ''اختر'' اختیار کیا۔ آپ کی ابتدائی تعلیم ریاست ٹونک میں مکمل ہوئی۔ ہندوستان میں یہ ریاست اپنے علمی و ادبی حوالے سے اہمیت کی حامل رہی ہے۔ مومن خان مومن جیسے بڑے شاعر کا تعلق بھی اسی ریاست سے کسی نہ کسی شکل میں رہا ہے۔ ٹونک کے حوالے سے ڈاکٹر یونس حسنی رقم طراز ہیں کہ:

> ''اختر کا دیس دریائے باناس سے تین طرف سے گھرا ہوا ہے اور باناس کی شفاف ریت کی ایک چوڑی پٹی شہر کے گرد اس طرح لہراتی ہے کہ جیسے واقعی ناگن نے اپنا من اُگل کر اسے کنڈلی میں لے لیا ہو۔ رسیا کی ''گردان دراز'' پہاڑی کے دامن میں ٹونک کی یہ چھوٹی سی بستی کسی زمانے میں ''ٹونکڑہ'' نام کا ایک گاؤں تھی۔ ۱۸۰۶ء میں جسونت راؤ ہولکر کی رفاقت میں نواب محمد امیر خاں نے اِس پر قبضہ کیا اور اسے چھوٹے سے شہر میں تبدیل کر دیا۔
>
> اسی بستی کے ایک چھوٹے سے معزز گھرانے میں اختر ۴ مئی ۱۹۰۵ء کو پیدا ہوئے۔[۱]

اختر کا تعلق پٹھانوں کے مشہور قبیلے ''شیرانی'' سے تھا۔ یہ قبیلہ ڈیرہ اسمٰعیل خان سے ملحق جنوبی وزیرستان میں سکونت پذیر ہے۔ اختر شیرانی کے جد اعلیٰ ملک قیس عبدالرشید تھے ان کے پڑپوتے کے نام پر ''شیرانی'' منسوب ہے اور اس طرح یہ قبیلہ شیرانی کہلایا۔

اختر کے والد حافظ محمود خاں شیرانی ایک ذی علم انسان تھے، انھوں نے اختر کی تربیت کے لیے بہترین تعلیم و تربیت کا انتظام

کیا۔اس تربیت نے زمانۂ طفولیت سے ہی اختر کو شاعری کی طرف مائل کیا اس کے علاوہ ٹونک کے علمی وادبی ماحول نے اختر کے فن کو مزید جلا بخشی۔ٹونک کے علمی وادبی ماحول کے بارے میں ڈاکٹر حسنی لکھتے ہیں کہ:

''ٹونک میں لکھنؤ اسکول کے شعرا اور ان کے شاگردوں کی بہتات تھی۔معاملہ بندی اور ادا نگاری وغیرہ خاص موضوعات تھے۔سنگلاخ زمینوں،طویل ردیفوں اور مشکل بحروں میں شعر کہنا اور اس میں استادی کے جوہر دکھانا ہی شاعری کا معراجِ کمال سمجھا جاتا تھا۔ٹونک میں مقامی اور بیرونی شعرا کی بڑی تعداد جمع ہوگئی تھی، یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اس زمانے کے شریف گھرانوں میں بچوں کا شعروسخن کی طرف مائل ہونا ذہانت کی دلیل سمجھا جاتا تھا۔ ٹونک کا ہر چھٹا شخص شاعر تھا اور شعر فہمی تو گویا اس سرزمین کے خمیر میں شامل ہوگئی تھی۔''[۲]

اختر شیرانی کے گھر میں فارسی کا چلن اس دور کے مطابق زیادہ تھا۔لہٰذا فارسی کی ابتدائی تعلیم انھوں نے صابر علی شاکر سے حاصل کی اور انھیں کی صحبت نے اختر کو شاعری کی طرف مائل کیا۔ابتدا میں انھوں نے شاکر علی سے ہی اصلاح لی تھی۔۱۹۱۹ء میں حافظ محمود خاں شیرانی کو چند ناگزیر وجوہات کی بنا پر ٹونک چھوڑنا پڑا اور آپ ۱۹۲۱ء میں لاہور آ گئے۔سولہ سال کی عمر میں اختر بھی لاہور آ گئے جہاں انھوں نے اورینٹل کالج لاہور میں داخلہ لیا اس سے اگلے سال اسی کالج سے منشی فاضل کا امتحان اچھے نمبروں سے پاس کیا اور اس سے اگلے سال اسی کالج سے ادیب فاضل کا امتحان اور اس کے بعد میٹرک بھی کر لیا تھا۔کوئی اعلیٰ سند نہ رکھنے کے باوجود اختر انگریزی ادب پر اچھی دست گاہ رکھتے تھے۔عربی زبان سے بھی اچھی طرح واقف تھے۔لیکن فارسی کے اثرات چوں کہ ابتدائی عمر سے ہی آپ کے ساتھ تھے اس لیے فارسی اور اردو میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔یا یوں کہیے کہ دونوں زبانوں میں ادب کا ذوق شستہ اور منجھا ہوا تھا۔

حافظ محمود خاں شیرانی اپنے بیٹے کو بحرالعلوم بنانے کے خواہش مند تھے مگر افسوس کہ اختر شیرانی ان کی یہ خواہش پوری نہ کر سکے۔اختر کی اُفتادِ طبع نے انھیں کبھی ایک مقام پر ٹھہرنے نہ دیا۔اپنی اسی اُفتادِ طبع کے باعث وہ تعلیمی میدان میں زیادہ عرصے نہ ٹک سکے اور اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ دی۔دوسرے اختر کی شراب نوشی نے سونے پر سہاگے کا کام کیا اور باپ بیٹے میں ہمیشہ مشرق ومغرب کا بُعد رہا۔ڈاکٹر مظہر محمود خاں شیرانی رقم طراز ہیں کہ:

''غضب اس وقت ہوا جب حافظ صاحب کو ان کی مے نوشی کی خبر ہوئی اور اتنی تاخیر سے، جب یہ عادت راسخ ہو چکی تھی آئے تو جائے کہاں، گھر میں بھونچال سا آ گیا۔خود اختر شیرانی صاحب تو موجود نہ تھے اس لیے ان کی والدہ پر خوب ہی برسے۔ان کا کہنا تھا کہ ماں کو بیٹے کی اس حرکت کا یقیناً پہلے سے علم تھا اور انھیں جان بوجھ کر اندھیرے میں رکھا گیا۔بہرحال سزا کے طور پر اختر شیرانی کا گھر میں داخلہ ممنوع قرار پایا۔''[۳]

اختر شیرانی اپنے والد بزرگوار کا دل سے احترام کرتے تھے۔جب محمود شیرانی نے تاعمر ان کا چہرہ نہ دیکھنے کا عہد کیا تو اختر شیرانی نے بھی اس وعدے کی لاج مرتے دم تک نبھائی اور کبھی اپنے والد کے سامنے نہ آئے۔البتہ حافظ صاحب کو کسی علمی یا ادبی مسئلے پر ان سے مدد درکار ہوتی تو رقعہ لکھ بھیجتے اور اختر بھی اس کا جوابی رقعہ بھیج دیتے۔وہ شراب چھوڑنا چاہتے تھے مگر کمزور قوت ارادی

ہمیشہ ان کے آڑے آئی اور وہ اس لت کے ہاتھوں اپنی جوانی اور صحت تباہ و برباد کر بیٹھے لیکن اس قبیح عادت سے قطع نظر دیکھا جائے تو اختر شیرانی پر اپنے والد حافظ محمود خاں شیرانی کی علمی و ادبی صلاحیتوں کی گہری چھاپ نظر آتی ہے اختر بڑے وسیع المطالعہ اور تنقیدی و تحقیقی صلاحیتوں کے مالک تھے۔

اختر کے اس مختصر تعارف کے بعد اختر کے دور اور اُن کی شاعری کے مطالعے کی جانب آتے ہیں۔

شعر و سخن کی ابتداء (رومانوی شاعری)

اردو شاعری میں بہت سے شعرا ایسے گزرے ہیں جن کی شاعری تو اپنے پایۂ کمال کو پہنچی مگر ان کی اپنی زندگی دکھ، الم، یاس اور مایوسی کے اتھاہ سمندر میں ڈوبی رہی۔ ان شعرا میں میر تقی میر کی پوری زندگی حزن و ملال کا مرقع تھی اور ان کی شاعری نے بھی ان سے یہی چیز جذب کی اور بامِ عروج پر پہنچی۔ فانی بدایونی یاسیت کے امام ہیں۔ جگر مرادآبادی نے مے نوشی کو حرزِ جاں بنا لیا اور اسے اپنی شاعری میں سمو دیا، البتہ بعد میں انھوں نے شراب نوشی ترک کر دی اور اس پر قائم رہے۔ اختر شیرانی بھی مے نوشی کے شیدائی تھے مگر اختر شیرانی کی مے نوشی سلمٰی سے عشق کی ناکامی کی وجہ سے ہے لیکن اس مے نوشی نے ان کی شاعری کو وہ خاص طرز آہنگ عطا کیا جو انھیں بقائے دوام عطا کر گیا۔ اختر کی شاعری میں رومانیت کا وُفور کیوں کر ہوا اس سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ کیا عوامل تھے جو انھیں شاعر رُومان بنا گئے؟ انگریزی شاعری میں لارڈ بائرن نے رومانی پس منظر کے ساتھ اپنی تخلیقات کو جنم دیا۔ اسی طرح اردو ادب میں اختر شیرانی نے انسان کے رومانی ماحول اور پسِ منظر کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ اردو ادب میں رومانیت سے عشق و عاشقی کے قصے مراد ہیں مگر اختر شیرانی کی رومانیت کا تصور ذرا اس سے ہٹ کر نظر آتا ہے۔

رومانیت کیا ہے؟ اردو ادب میں رومانوی تحریک نے بیسویں صدی میں جنم لیا۔ یہ تحریک علی گڑھ کے زیرِ اثر پروان چڑھی۔ آسکر وائلڈ اور ٹیگور کے تراجم سے اِسے ایک نئی توانائی ملی اور تحریکِ خلافت نے اسے اخلاقی جواز عطا کیا۔ ادھر مغرب کی بات کریں تو انقلابِ فرانس کے نتیجے میں رومانوی تحریک پروان چڑھتی نظر آتی ہے کہا جاتا ہے کہ رومانیت کلاسکیت کے خلاف ایک ردِعمل ہے۔ جب معاشرے میں کلاسیکی اصول سخت ہو جاتے ہیں اور معاشرے کے افراد سخت دباؤ تلے آ جاتے ہیں اور ان کی انفرادیت دم توڑنے لگے تو رومانیت اس کا ردِعمل ہے۔ مغرب میں اس تحریک کے روحِ رواں کالرج اور ورڈزورتھ تھے، یہ دونوں خارج کے مقابلے میں داخلی کیفیات کو زیادہ اہمیت دیتے تھے اور اجتماع کے مقابلے میں فرد کو اہم گردانتے تھے۔ فطرت یا نیچر ان کے یہاں اہم ترین متصور ہوتی ہے وہ تخیل کی آزادی کے حامی ہیں۔

ہندوستان میں سرسیّد کی تحریک، علی گڑھ کا ردِعمل اس تحریک کے ساتھ جنم لینے لگا۔ اس سلسلے میں محمد حسین آزاد کا تخیلی اندازِ بیاں اور مولانا عبدالحلیم شرر کی جذبات سے بھرپور اور تاریخ سے منسلک رنگیں بیاں نثر اِس تحریک کے خلاف ردِعمل ہی تھی۔ رومانوی تحریک کے ایک اہم روحِ رواں سر عبدالقادر تھے۔ اُنھوں نے اپنے رسالہ ''مخزن'' کے ذریعے رومانوی پسند، احساس اور فکر کو جلا بخشی اور ''مخزن'' کے ذریعے اسے عام کیا۔ اسی رسالہ میں نئے لکھاریوں میں علامہ اقبال خاص اہمیت کے حامل تھے۔ اقبال کی

شاعری رومانوی طرز احساس سے مُملو ہے اور رومانیت کے چند زاویے حسنِ ازل کی تلاش، ماضی سے دل چسپی اور رومانی کردار خاص اہمیت کے مظہر نظر آتے ہیں۔ نظم ونثر میں رومانوی تحریک کے چند اہم نام سجاد حیدر یلدرم، ابوالکلام آزاد، مہدی افادی، ڈپٹی نذیر احمد اور سجاد انصاری سرِ فہرست ہیں۔ ان تمام ادبأ کے ہاں ماضی پرستی یا پھر فکرِ قدیم سے انکار اور جدید خیالات کی سوچ ہے اور تخیل بہت نمایاں نظر آتا ہے۔ رومانوی تحریک کا ایک اور اہم نام علامہ نیاز فتح پوری کا ہے۔ علامہ نیاز نے علم وادب کے تقریباً ہر گوشے پر قلم اٹھایا ہے اور ان کی تحریروں میں روائتی نقطۂ نظر کے بجائے جدید نقطۂ نظر کا احساس ملتا ہے۔ ان کے اسلوب پر تخیل کی کارفرمائی رُومانوی انداز بیاں کا دل کش نمونہ ہے۔

شاعری میں اگر رومانیت کو اردو ادب میں بنظرِ غائر دیکھا جائے تو یہ اقبال کے زیر اثر پروان چڑھتی نظر آتی ہے۔ علامہ اقبال کے اس کارواں کے چند رومانوی شعرا زیادہ اہم نظر آتے ہیں جن میں حفیظ جالندھری، عظمت اللہ خاں، جوش ملیح آبادی اور اختر شیرانی نمایاں ہیں۔ حفیظ جالندھری اور عظمت اللہ خاں رومانوی شاعری میں اپنے مدھر گیتوں کے حوالے سے انفرادیت کے حامل ہیں۔ ہندی الفاظ اور بحروں کے استعمال سے ان کے گیتوں میں رُومانیت پیدا ہوتی ہے۔ جوش ملیح آبادی کا بے باک انداز، ماضی سے بغاوت اور افکار کی گھن گرج سے ایک نیا لہجہ اور نیا انداز پیدا ہوا جو بڑی حد تک رومانیت سے قریب تر ہے۔ ویسے بھی دیکھا جائے تو رُومانیت ایک حد تک خیالی جنت اور تخیل کی بلند پرواز کا نام ہے جسے ''یوٹوپیا'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

شاعری کے محاسن ومعائب۔

اختر شیرانی کی رومانوی شاعری کی بات کی جائے تو ان کے ہاں رومانیت اپنی پوری توانائی اور حسن کے ساتھ سُبک انداز میں رواں نظر آتی ہے۔ شاعری کی تاریخ میں وہ ''شاعرِ رومان''، ''ابوالمعانی'' اور ادیبُ الملک، جیسے القابات سے یاد کیے جاتے ہیں۔ ایک طویل عرصے تک وہ غیر منقسم ہندوستان میں شاعرانہ ہر دل عزیزی کی علامت کے طور پر ابھرے رہے۔ مؤخر و مستند ادبی حلقوں میں ان کا بڑا نام ومقام تھا۔ فیض احمد فیض اور ن۔م راشد جیسے شعرا نے بھی ان سے اکتسابِ فیض کیا اور ان کے اسلوب کا اثر قبول کیا۔ اختر شیرانی کی شاعری میں بلاشبہ رُومانیت کا وفور تھا اور ان کی عشقیہ شاعری بے ساختگی اور برجستگی کے ساتھ دلوں میں اتر جانے کی صلاحیت رکھتی تھی۔

رُومانیت کے خدوخال دیگر شعرا کے مقابلے میں اختر شیرانی کے ہاں نہایت واضح نظر آتے ہیں۔ رومانیت ان کے یہاں دل کی دھڑکن بن کر نمودار ہوئی لیکن یہ رُومانیت رسمی یا روایتی نہیں بلکہ اس زندگی سے عبارت ہے جو اختر کی روح میں سرائیت کیے ہوئے ہے۔ انھوں نے اردو شاعری میں عورت کو مکمل پیکرِ حسن عطا کیا ورنہ اس سے پہلے اُردو شاعری میں محبوب صرف تخیل کے پردے پر ہی نظر آتا تھا اس تخیلاتی محبوب کو اختر نے جیتا جاگتا محبوب بنایا اور اسے کبھی سلمٰی، کبھی عذرا اور کبھی ریحانہ کہہ کر پکارا۔ اختر کی شاعری میں وَصل کی خوشی وسرمستی، درد، فراق، دل سوزی، کسک، تڑپ، گداز، عہدِ رفتہ کی یادیں اور جمالیاتی رنگینیاں سراسر موجود ہیں۔ ان کی شاعری میں مکالماتی انداز بھی موجود ہے وہ اپنے محبوب سے وارفتہ گفتگو کرتے ہیں اور ایک ایسی دنیا تخلیق کرتے ہیں جس کی رُومان پرور فضاؤں میں قاری کھو کر رہ جاتا ہے۔ ان کی اکثر نظموں میں لفظوں کی تکرار نے ایک خوب صورت موسیقیت پیدا کر دی ہے کہ جیسے

جل ترنگ بج رہے ہوں نظم ''ایک بار دیکھا ہے''، میں اختر نے مناظر کی عکاسی میں حسن آفرینی کے ساتھ ساتھ تشبیہات واستعارات و تراکیب سازی سے جو رومانوی فضا پیدا کی ہے اس میں صرف حسن اور جمالیات کی پرستش ہی نہیں بلکہ لذت پسندی اور کیف سے اکتساب بھی نظر آتا ہے اِس نظم کے چند اشعار دیکھیے:

تمھیں ستاروں نے بے اختیار دیکھا ہے — شریر چاند نے بھی بار بار دیکھا ہے
رُوپہلی چاندنی نے رات کو کھلی چھت پر — ادا سے سوتے ہوئے بار بار دیکھا ہے
بہشتِ حسن کی تازہ کلی کے دھوکے میں — کلی نے بھی تمھیں، دیوانہ وار دیکھا ہے
غرض مظاہرِ فطرت نے ہر طرح تم کو — ہزاروں بار نہیں لاکھ بار دیکھا ہے
مگر میری نگہ شوق کو شکایت ہے — کہ اس نے تم کو فقط ایک بار دیکھا ہے

''دیکھا ہے'' کی تکرار حواس پر ایک خوب صورت تاثر پیدا کرتی ہے اور قاری سُر اور تال کے حسین سنگم میں کھو جاتا ہے۔ اختر کی شاعری میں سلمیٰ کا وجود ایک ایسی ٹھوس حقیقت ہے کہ جس سے انکار ممکن نہیں لیکن ان کی شاعری کو صرف اس حوالے سے پرکھنا کہ وہ نوجوانوں کے رُومانوی شاعر ہیں، ایک سطحی سوچ سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ ان کی شاعری کی پرتوں کا اندازہ کرنا نہایت مشکل نظر آتا ہے جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ اختر شیرانی کی شاعری عام رومانوی شاعری سے ہٹ کر ہے۔ ان کے کلام میں حسنِ فطرت کی دل آویزیوں کا خوب صورت تذکرہ بہ کثرت ملتا ہے۔ وہ مناظرِ فطرت کی بھرپور اور لطیف عکاسی کرتے ہوئے بہاروں، کہساروں، ابر پاروں، چاند تاروں، مہ پاروں کے حسن میں ڈوب جاتے ہیں۔ ان کی روح کے خلوت خانے، حسنِ فطرت کی محبت سے سرشار نظر آتے ہیں اور اسی کیف و مستی نے ان کی شاعری اور عشق کو دھنک رنگ عطا کیے ہیں۔ اکرم کُنجاہی نے ان کے کلام میں موجود احساسِ جمال کی دل کشی کو بہت عمدگی سے واضح کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ:

> ''ان کے بہار آفریں قلم نے گل دستہ، پھول، کلیاں، بادِ نسیم، بادِ بہار، گل فروش، نکہت، صبا، ساون، شاخسار، سبزہ، لطافت، ملاحت، صباحت، بہارستان، ابر پارے، بدلیاں، گھٹائیں، رود باروں، وادی گنگا، برکھارت اور موجِ نسیم جیسے الفاظ کا بہ کثرت استعمال کیا ہے۔ گویا ذہنِ اختر شیرانی گلہائے رنگیں سے آراستہ چمن اندر چمن ہے جس میں نہ جانے کتنی زر پوش پریاں اپنی رعنائیوں اور معصومیوں کے ساتھ اترتی ہیں۔ حوروں کی زلفیں چھوتی ہیں۔ ان کی شاعری میں زہرہ جبینوں کے خواب میں ان کے نغمے گونجتے ہیں گویا ان کی نظموں کی فضا وجد میں ہے۔ ان کے یہاں مے کدے غزل خواں ہیں۔ ان کا تصور شیریں اور تخیل رنگین وادی جیسا ہے۔ ان کے صنم خانۂ خیال میں رنگ رنگ کی خوب صورتیاں ہیں جنھوں نے ان کی شاعری کو نور نکہت سے معمور کر دیا ہے۔''[۴]

اختر شیرانی کے شاعرِ رُومان ہونے پر جو حکم لگایا جاتا ہے اس کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر حسنی رقم طراز ہیں کہ:

> ''دراصل رُومانیت کا ایک خاص مفہوم ان سے وابستہ کر دیا گیا ہے، حالاں کہ اختر شیرانی کی رُومانیت کا وہ مفہوم سرے سے ہے ہی نہیں۔ اُردو میں رُومانیت کے جو معنی رائج ہیں اختر شیرانی اس معنی میں شاعر نہیں تھے اور اگر وہ

معنی مراد لیے جائیں تو قلی قطب شاہ، ولی دکنی اور اس سے آگے سارے غزل گو شاعر بھی رومانی تھے تو یہ بات ان سب کے لیے بھی کیوں نہ کہی جائے۔ صورتِ حال یہ تھی کہ اختر شیرانی ان معنوں میں رومانی شعرا میں سے تھے جو انگریزی کا ایک تصور ہے، جس میں تخیل کی بے محابہ فراوانی نئی دنیاؤں کی تخلیق کرتی ہے، جو حسن کو خود تخلیق کرنے پر قادر ہوتی ہے۔''[۵]

تخیل و جذبات کا ابھرنا رومانیت کی روح گردانا جاتا ہے۔ رُومانوی تخیل کار، کائنات کو ایک نئے روپ میں دیکھتا ہے اور رُومانوی جذبات، عالمِ رنگ و بو کو ایک نئے اور جدید رنگ میں ڈوبا ہوا پاتا ہے اور یہی انفرادیت رُومانیت کا خاصہ ہے۔ تخیل کے بغیر کسی بھی قسم کی شاعری ممکن نہیں۔ رُومانوی فن کار کا کمال یہ ہے کہ تخیل کی سمت کو ایک نئی راہ کی جانب گام زن کر دیتا ہے، جسے ہم آرزومندی کہہ سکتے ہیں۔ حُسن کی تحسین، فطرتِ زندگی، ماورائیت، احساسِ محرومی، جمال پرستی اور ماضی پرستی جیسی خصوصیات کے مشترک ماحول کا نام رُومانیت ہے۔ اس پس منظر میں اگر اختر کی شاعری کا مطالعہ کیا جائے تو انھوں نے کم و بیش وہ سارے عناصر اپنی شاعری میں سمو دیے ہیں جس سے رُومانوی شاعری کی مجموعی صورت بنتی ہے۔ اختر شیرانی کی زندگی کو دیکھا جائے تو وہ ان تمام خوبیوں اور خامیوں کی آئینہ دار ہے جو ایک رُومانوی شاعر کے لیے از بس ضروری ہیں۔ رومانوی شاعری کے حوالے سے وہ کیٹس اور ورزڈورتھ کے برابر ٹھہرتے ہیں۔ اختر کی زندگی اور شاعری کے بہت سے پہلو کیٹس کی شاعری اور زندگی سے مشابہ ہیں۔ کیٹس کی محبوبہ فینی اور اختر کی سلمٰی ان دونوں ہی کی شاعری کی روح ہیں۔ کیٹس کی طرح اختر کی رومانوی شاعری بھی شدید قسم کی جذباتی شاعری ہے۔ ان کی بعض نظمیں تو شدید جذبات اور درد سے پُر نظر آتی ہیں جن میں ''آج کی رات''، ''اودیس سے آنے والے بتا'' اور ''اے عشق کہیں لے چل'' وغیرہ شامل ہیں۔

فطرت کے حسن و جمال سے رُومانوی لگاؤ کی اختر کے کلام میں سینکڑوں مثالیں موجود ہیں۔ وہ فطرت کی صنّاعی میں تصرّف کرتے ہیں اور اپنے قلم سے رنگ آمیزی بھی۔ ان کے رنگ بڑے شوخ ہیں۔ ان کے پھولوں کی پریاں رنگ رنگ کے پیرہن میں ملبوس ہیں جن میں اُودے، نیلے، پیلے، پیرہن ہیں۔ وہ اپنے تخیل سے فطرت کے حسن کو دوبالا کرتے وقت تشبیہ و استعاروں سے کام لیتے ہیں۔ یہ تشبیہات و استعارات بھی رومانیت سے بھرپور ہیں۔ ان کی نظموں کو پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا فطرت کو نُطق اور گویائی عطا ہوگئی ہو اور قاری، خوابوں اور خیالوں کی جنتوں کی سیر کرتا ہے اور تاحدِ نگاہ صرف حسن ہی حسن ہوتا ہے۔

اختر کی نظموں کے نام بھی حُسن سے معمور نظر آتے ہیں۔ ''بنگال کی ایک شام''، ''حسن بہار''، ''برکھا رُت''، ''وادی گنگا''، ''ایک بار دیکھا ہے'' اس کی چند مثالیں ہیں۔ اختر کی شاعری کی خصوصیات میں، حسن کی تحسین، زندگی اور کائنات سے لگاؤ، جوشِ عشق، نسوانی حسن، خیالی جنتیں، جلال پسندی، ماورائیت، صحرائیت پسندی، انقلاب پسندی و ماضی پرستی، خرابات نشینی، نظریۂ حیات، مناظرِ قدرت کے ساتھ ساتھ رسیلے الفاظ کا استعمال، تشبیہات و استعارات، تراکیب سازی، غنائیت، صورت گری، ہیئت کا استعمال، (مسمط، ترکیب بند، ترجیع بند، غزل، رباعی، قطعہ، مستزاد، فردیات، گیت، سانیٹ اور ماہیے) وغیرہم شامل ہیں۔

اختر کی شاعری مذکورہ تمام خوبیوں اور خامیوں کی آئینہ دار ہے جو ایک رُومانوی شاعر کے لیے ضروری ہیں یعنی بے اعتدالی ، بے راہ روی، بے اصولی، جذباتیت اور تصور پرستی وغیرہ جو ہمیں دوسرے شعرا کی شخصیت میں بھی لازمی جزو کی حیثیت سے دکھائی دیتی ہیں، اختر کی شخصیت اور شاعری میں بھی رچی بسی ہیں۔ اختر کے کلام میں فلسفیانہ عمق، حیات و کائنات کے تہہ در تہہ مسائل اور زندگی کی کھردری حقیقتوں سے شناسائی ڈھونڈنا سعیٔ لاحاصل ہے یہ سب کچھ صرف اختر پر ہی منحصر نہیں ہے بلکہ اردو کے تمام رُومانوی شعرا کے ہاں یہ سب نقائص ملتے ہیں اس کی ایک خاص وجہ یہ ہے کہ مغرب اور خصوصاً انگریزی ادب میں رُومانیت کے حوالے سے بڑی قد آور ہستیاں ہیں۔ انگریزی اور دوسرے مغربی ادبیات نے رومانوی تحریک کی پرورش سالوں تک کی تھی اس لیے ان کی رُومانوی شاعری میں وہ کمزوریاں یا نقائص نظر نہیں آتے جو اُردو کی رُومانوی شاعری کا حصہ ہیں۔ فرانسیسی انقلاب سے قبل ہی یورپ کی سرزمین رُومانوی شاعری کے لیے ہموار ہو چکی تھی۔ لہٰذا رُومانوی شاعری مغرب میں فطری انداز میں جلوہ گر ہوئی۔ ہر مغربی رُومانوی شاعر کا اپنا فلسفہ ہے جس پر غور و فکر کے بعد وہ اس پر مطمئن ہو گیا اور پھر یہی فلسفہ جذبے اور خیالات میں ڈھل کر شعر کی صورت میں ظاہر ہوا۔ لیکن کیوں کہ اردو ادب، انگریزی ادب کا مقلد رہا اور یہی بات اُردو رُومانوی شاعری پر بھی صادق آتی ہے کہ اس کا کوئی واضح یا مضبوط پس منظر نہیں۔ چوں کہ اُردو رومانیت انگریزی سے مستعار ہے، اس لیے ہمیں اختر کا تخیل تو بہت بلند پرواز نظر آتا ہے البتہ اس کی تہہ تک اختر کی نگاہیں نہیں پہنچ پاتیں۔ اختر نے انگریزی رومانوی شاعری کی تقلید تو کی مگر ساتھ ساتھ عربی، فارسی اور اردو کے ادبی سرمائے اور ماحول کو بھی پیش نظر رکھا ہے جس سے ان کی شاعری کو خاطر خواہ فوائد حاصل ہوئے اور ان کی شاعری نامانوس نہ ہو سکی لیکن ان کی شاعری میں فلسفیانہ گہرائی کا فقدان رہا۔ زندگی کے گراں بار مسائل اُردو رومانوی شاعری کا حصہ نہیں یہاں صرف تسکین اور ذوقِ لطیف اور وقتی جذبات کی اہمیت ہے تاکہ تھکے ماندہ ذہنوں کو تھوڑی فرحت مل سکے۔ لہٰذا اختر کی شاعری کو بھی اِسی پیمانہ پر پرکھنا چاہیے لیکن اس سے ذرا ہٹ کر دیکھا جائے تو اختر کے خلّاق ذہن نے اس محدود فضا میں بھی بڑی حسین گل کاریاں کی ہیں جس سے ان کی شاعری میں تنوّع پیدا ہو گیا۔

اختر نے اُردو کی رومانوی شاعری میں بیش بہا اضافے بھی کیے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ رومانیت کے اصل مفہوم کی اردو شاعری میں اگر کسی نے صحیح نمائندگی کی ہے تو وہ اختر شیرانی ہیں۔ ان کی شاعری میں جو کیف، وجد اور لطف اندوزی ہے وہ اختر کی شاعری کو زندہ رکھے گی۔ ان کی شاعری میں کیا کچھ نہیں ہے، رومانیت کا غلبہ، سادگی و بے ساختگی، رسیلے اور میٹھے بول، تشبیہات، غنائیت، صورت گری، ہیئت کا استعمال، نظم نگاری اور تراکیب سازی تو انوکھی و نادر ہیں۔ ان تراکیب کے استعمال نے ان کی شاعری میں چار چاند لگا دیے ہیں۔ اُردو ادب میں جوش ملیح آبادی کی تراکیب سازی کے بعد اختر کی تراکیب میں منجھا ہوا سلیقہ نظر آتا ہے ان کا خلاق ذہن نئی نئی تراکیب وضع کرتا ہے۔ اس طرح کی تراکیب اختر کے بعد ہمیں اور کسی شاعر کے یہاں نظر نہیں آتی ہیں۔ اُن کے کلام کا مطالعہ کیا جائے تو جا بجا حسین و نادر تراکیب میں رومانیت کا نشہ برستا ہے۔ یہ تراکیب اپنے محل استعمال میں بڑی بھلی معلوم ہوتی ہیں اور مرصع بھی ہیں جس سے اختر کے ذہن کی حسن کاری آشکار ہوتی ہے۔ فارسی زبان میں دست گاہ کامل رکھنے کی وجہ سے ان

کے کلام میں سینکڑوں تراکیب نئے نئے مفاہیم کے تحت موجود ہیں اور ایسی خوب صورت اور دل کش تراکیب ایک رومانوی شاعر ہی وضع کرسکتا ہے۔ مثلاً نگارِلالہ بدن، مصرِ جمالِ ناز، بادۂ نوشان تخیل، ارغوان زاری، نوشابۂ صہبا، طالعِ کام گارِبستر، دفترِ مینائی، گل رخانِ خلد سامان وغیرہ۔

اختر کی کلیات نوشعری مجموعوں ۶ پر مشتمل ہے اور سینکڑوں تراکیب سے مزّین بھی۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کچھ تراکیب کو زیرِ بحث لایا جائے اس لیے بھی کہ یہ تراکیب ان کی رومانوی شاعری کے اجزائے ترکیبی میں شمار کی جاتی ہیں اور اس لیے بھی کہ اس شاعرِ بے بدل کو آئندہ برسوں میں بھی اس کے شان دار کلام اور اس میں موجود نادر **تراکیب، تشبیہات واستعارات** وغیرہم کی روشنی میں یاد رکھا جاسکے۔ چنانچہ ذیل میں ان میں سے کچھ شعری تراکیب اور ان کی وضاحت پیش کی جاتی ہیں۔

☆ **ہجومِ ریشم وکمخواب :** تری صورت سراسر، پیکر مہتاب ہے سلمیٰ
ترا جسم اِک ہُجومِ ریشم وکمخواب ہے سلمیٰ

نسوانی جسم کی نزاکت، نرمی اور نفاست کو ہجومِ ریشم وکمخواب سے ادا کیا گیا ہے۔ یہاں ''ہجوم'' جذبات کی شدت کو بھی ظاہر کررہا ہے۔ ریشم کمخواب وہ کپڑے جن کی ملائمت مشہور ہے۔

☆ **عالمِ سکر فروشی:** ایک عَالم سُکر فروشی ہے
بیہوش کو ہوش میں لا پیاری

پیاری سے مخاطب ہوکر شاعر کہہ رہا ہے کہ سرمستی و مدہوشی کا عالم طاری ہے۔ تو مجھے ہوش میں لا۔ یہاں عالم سکر فروشی سے مراد نشہ بیچ دینے والا کے ہیں۔ مگر ساقی چوں کہ پلاتا ہے اس سے بھی وہی مراد ہے۔

☆ **طائرانِ نغمہ سنج:** شاخ رقصاں پر نہیں ہیں طائرانِ نغمہ سنج
ننھی پریاں سبزگوں کشتی پہ ہیں گاتی ہوئی

خوبصورت تراکیب نے منظر میں جان ڈال دی ہے۔ تصور میں تصویر بنتی چلی جاتی ہے۔ چہچہاتے ہوئے پرندے، ہرے پتوں پر گویا پرندے نہیں بلکہ ایسا محسوس ہورہا ہے جیسے ننھی پریاں سبز رنگ کی کشتیوں پر سوار ہیں اور دل نشیں نغمے گارہی ہیں۔

☆ **شکوۂ سنجِ بے ہُنری:** میرا قلم نہ ہو گر شکوۂ سنجِ بے ہُنری
تو اِس کو تیرے لیے صرفِ جوش کار کروں

شاعر اپنی بے ہنری کا اعتراف کررہا ہے کہ میرا قلم ترے حسن و جمال کو بیان کرنے سے قاصر ہے۔ جوشِ کار کی ترکیب شوقِ فراواں کو بھی ظاہر کررہی ہے۔

☆ **سریرِ عیش:** یہ شادی آہ جہنم کا راج کہیے اِسے
سریرِ عیش پہ کانٹوں کا تاج کہیے اِسے

عیش کا تخت۔اس ترکیب میں نارضامندی کی شادی کے نقصانات کو واضح کیا ہے۔اگر لڑکی کی شادی میں اس کی رضامندی شامل نہ ہوتو شادی اس کے لیے کانٹوں کا تاج بن جاتی ہے۔

☆ **ساقیانِ سمن اَندام:** سبزے کے فرش پہ گل دربُر وساغر در کف
ساقیانِ سمن اَندام کو رقصاں کردیں

شراب پلانے والے جن کا جسم چنبیلی کی طرح نازک اور حسین ہے۔سبزے کے فرش پر محبوب کے ساتھ مے نوشی۔فضا کیف وسرور سے بھر جاتی ہے اور چنبیلی جیسے نرم ونازک ساقی گری کرنے والے بھی جھوم جھوم اٹھتے ہیں۔

☆ **زخمۂ اُلفت:** سازِ دل ٹوٹ چکا تارِ محبت ہے خموش
اب اسے زخمۂ اُلفت سے جگاتی کیوں ہو

دل کا ساز ٹوٹ جائے تو محبت کے تار بھی نہیں بجتے،الفت کی مضراب سے بھی نہیں۔

☆ **زیرِ نقابِ کامیں:** دخترانِ غُنچہ تھیں زیرِ نقابِ نامیہ
چہرہ ہائے ناز سے پردے اٹھاتی ہے بہار

وہ کلیاں جو ابھی پھول نہ بنی ہوں۔

بہار کا موسم آ گیا،کلیاں چٹکنے لگیں،مگر شاعر سے سنیے:غنچہ کی بیٹیاں (کلیاں) پتوں کے نقاب میں نشو ونما پا رہی تھیں کہ بہار کی ہوا ان کے حسین چہروں سے پردے اٹھانے لگی۔

☆ **قدحِ ماہتاب:** اٹھا پیالہ کہ گلشن پہ پھر برسنے لگی
وہ مے کہ جس کا قدح ماہتاب ہے ساقی

چاند کا پیالہ یعنی چاند کی روشنی سے بھرا ہوا سبُو۔

☆ **خرمنِ ہستیِ اعدا:** خرمنِ ہستی اعدا کو جلا کر اس سے
کامرانی کی فضاؤں میں چراغاں کر دیں

فصل پک جائے تو اسے کھیتوں سے اٹھا کر ایک جگہ ذخیرہ کرلیا جاتا ہے۔اسے خرمن کہتے ہیں۔جنگ چھڑ جائے تو دشمن کے خرمنوں کو جلانے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ دشمن کی خوراک کی ترسیل رک جائے۔شاعر کہتا ہے کہ دشمن کی زندگی کے خرمن میں آگ لگادیں اور اس کی روشنی سے اپنی کامیابی کی راہوں کو روشن کرلیں۔

☆ **نوشابۂ صہبا:** اٹھا نوشابۂ صہبا کو خوابستانِ مینا سے
بہارِ صبح جاگ اٹھی، چمن بیدار ہے ساقی

شراب کا ملکہ۔اے ساقی! چمن کی بہاریں جاگ اٹھی ہیں، ایک ایک چیز بیدار ہوگئی ہے۔ جا! بوتل کی خواب گاہ سے شراب کی ملکہ کو بھی جگالا۔

☆ **گلِ سرسبدِ گلبدناں:** گل وگلشن سے کہو خاکِ رہِ شوق بنیں
وہ گلِ سر سبدِ گلبدناں آتی ہے

پھولوں ہی سے نہیں پورے گلشن سے کہہ دو کہ خاکِ رہِ شوق بن جائیں (اس کے اشتیاق میں اس کی راہ میں بچھ جائیں)، اس لیے کہ گل بدنوں (پھولوں) کی ٹوکری کا منتخب پھول (میرا محبوب) آ رہا ہے۔

☆ **گلبانگِ قفس:** گلبانگ قفس ہی بن جائے اے کاش نوائے آزادی
کیا کہیے کہ اختر سینے میں مچلے ہوئے ارماں کیسے ہیں

شاعر قید میں پھول کی خوشبو کو آوازِ سے تعبیر کر رہا ہے۔قید میں خوش خبری کی صدا یا آواز۔

☆ **گل کدۂ مجاز:** گل کدۂ مجاز میں جس کا بہشت نام ہے
اِس کی بہار حسن کی نکہت ناتمام ہے

دنیا کے حسین ترین علاقے جنھیں جنت نشان کہا جاتا ہے۔ان جنتوں کی بہاروں کا تمام حسن و جمال محبوب کے حسن و جمال کا نامکمل عکس ہے۔نکہت ناتمام، بہارِ حسن کی رعایت سے لایا گیا ہے۔

☆ **گلہائے شفق گوں:** مرمریں سینے ہوں گلہائے شفق گوں سے عیاں
اَرغواں زار میں روشن سمنستاں کردیں

سرخ پھولوں کے جھنڈ میں چنبلی کے پھول جیسے شفق رنگ پھولوں میں مرمریں سینے۔

سرخ☆ **گوہر رنگیں:** ظلمتِ بحر میں ہے گوہرِ رنگیں مستور
پردۂ قبر میں ہے چشمہ شیریں مستور

سمندر کے اندھیرے (گہرائی) میں رنگین موتی اور قبر کے پردے میں چشمۂ شیریں (شیریں کلام انسان) چھپے ہوتے ہیں۔

☆ **خُرمئی آغوش:** مرے ہمدم، یہ نخلستان اِک دن اِس کا مسکن تھا
اِسی کے خرمئی آغوش میں اس کا نشیمن تھا

خُرمے سے خُرمئی صفت بنائی گئی ہے۔آغوش کے ساتھ ترکیب دینے سے معنویت اور بڑھ گئی ہے۔نخلستان کے لیے خُرمئی آغوش نادر ترکیب ہے۔

☆ **ساغرِ زرکف:** سبزے کے فرش پر گل در بر و ساغر در کف
ساقیانِ سمن اندام کو رقصاں کر دیں

سبزے کا فرش، پہلو میں محبوب اور ہاتھ میں جام شراب۔ وہ منظر ہے کہ حسین و جمیل پلانے والے بھی جھومنے لگیں۔

☆ **شب ہائے نوبہار:** شبہائے نوبہار ہیں کس درجہ سوگوار
شادابیِ رُخِ مہ تاباں کو کیا ہوا؟

نوآمدہ بہار کی راتیں کس قدر اداس ہیں کہ روشن چاند کے چہرے کی شادابی بھی ان کی اداسی کو دور نہ کر سکی۔

☆ **صہبائے جنوں:** لطف آنے لگا صہبائے جنوں پینے میں
لذتیں خُلد کی پیدا ہوئیں پھر سینے میں

دیوانگی کی شراب۔ ایک وقت آتا ہے کہ دیوانگی بھی عیش و نشاط کا باعث بن جاتی ہے۔

☆ **رُوح غنچہ ہائے ارغواں:** تیرے ہونٹوں پر تھیں عفت کے لہو کی سُرخیاں
جن کو روح غنچۂ ہائے ارغواں سمجھا تھا میں

سرخ پھولوں کی کلیاں۔ سرخ پھولوں کی روح۔ سرخ پھولوں کا حاصل۔

☆ **زلفِ سمن:** سحر کی حُور جب زلفِ سمن پر گنگناتی ہے
محبت رنگ و بو ہو کر فضا میں پھیل جاتی ہے

چنبیلی کے بال نہیں ہوتے مگر صبح کی ہوا جب چنبیلی کے جھنڈ میں سے گزرتی ہے تو پھولوں سے لدی ہوئی اس کی نرم ٹہنیاں زلفوں کی طرح لہرانے لگتی ہیں۔ اس منظر کے لیے شاعر نے زلفِ سمن کا استعارہ استعمال کیا ہے۔

☆ **نواسنجانِ گلشن:** سحر خیزی مری، پھولوں کو بیداری سکھاتی ہے
مری آمد نواسنجانِ گلشن کو جگاتی ہے

باغ میں گانے والے، مراد پرندے۔ صبح سویرے میری بیداری سے گلشن کے پھول جاگتے ہیں اور جب میں باغ میں پہنچتا ہوں وہاں کے پرندے چہچانا شروع کر دیتے ہیں۔

☆ **پامالِ خزاں:** ہشیار، کہ ہو جائے نہ کہیں پامالِ خزاں، گلزارِ وطن
گلہائے اِرم سے بڑھ کے ہمیں محبوب ہے اِک اِک خارِ وطن

ہمیں اپنے وطن کے کانٹے بھی جنت کے پھولوں عزیز ہیں، دیکھنا! کہ کہیں خزاں ہمارے وطن کو اُجاڑ نہ دیں۔

☆ **ماہ و شانِ کاہکشاں:** پھر شبنم بوسے لیتی ہے، مستی کی بہاریں چھاتی ہیں
اور ماہ و شانِ کاہکشاں گلہائے طلا برساتی ہیں

ستاروں کے جھرمٹ کے چاند کی طرح چمکتے ہوئے ستارے۔صبح سویرے کی منظر کشی کی گئی ہے۔پھولوں پر شبنم کے بوسے، مستی بھرا ماحول اور صبح کے ستاروں کی نرم،سنہری روشنی۔کتنا جاں فضا منظر ہے۔

☆ **شورِ بلبلِ مستانہ:** پھر شوق سے ملیں گے کسی گلِ غدار سے
پھر لب پہ شورِ بلبلِ مستانہ چاہیے

محبوب سے ملاقات کے لیے دل میں ڈھیروں آرزوئیں جنم لیتی ہیں کہ یہ کریں وہ کریں،اس بار محبوب سے ملاقات کے وقت عاشق اپنے لیے تجویز کرتا ہے کہ بلبلِ مستانہ (مست عاشق) کی طرح نعرے مارے

☆ **گلہائے محن:** گلہائے محن کو آنسوؤں کے تاروں میں پروتا رہتا ہوں
اے ابرِ رواں جا سوئے وطن، جا سوئے وطن اے ابرِ رواں

غم کے پھول۔مصیبت کے پھول۔دل کے زخموں کو پھول کہا گیا ہے۔

☆ **بادۂ نوشانِ تخیل:** پھر صلائے عام دی پیر مغان عشق نے
بادۂ نوشانِ تخیل کو جگانے کے لیے

تخیل کی شراب پینے والے (تخلیات کی دنیا میں رہنے والے)

☆ **پامالِ شبستاں:** کس کو معلوم تھا کہ اس قدر ارزاں ہو گی
زینتِ محفل پامالِ شبستاں ہوگی

طوائف یا شب باش عورت کو پامالِ شبستاں سے تشبیہ دینا کتنی نرالی ترکیب ہے۔

☆ **سُرودآبادِ ہستی:** سرودآبادِ ہستی میں، میں اِک سازِ شکستہ ہوں
مرے خاموش تاروں کو ترنم آشنا کر دے

گیتوں سے بھری زندگی (دنیا)۔ٹوٹا ہوا ساز۔گیت گانے والا۔

☆ **محرمِ گیسوئے جانانہ:** پھر وہی نکہت مستانہ کدھر سے آئی
محرمِ گیسوئے جانانہ کدھر سے آئی

گیسوئے محبوب کی واقف کار۔محبوب کہیں قریب ہی ہے۔اس لیے کہ وہ مست کر دینے والی خوشبو آ رہی ہے جو محبوب کے بالوں کی محرمِ راز تھی۔

☆ **ماہِ سیہ پوش:** شب کو پہلو میں جو وہ ماہِ سیہ پوش آیا
ہوش کو اتنی خبر ہے کہ نہ پھر ہوش آیا

وہ چاند جس نے سیاہ پیرہن پہن رکھا ہو یعنی بادلوں کی اوٹ میں ہو۔مراد ہے محبوب سے جو سیاہ لباس پہن کر آیا ہے۔

☆ **مآلِ بزمِ شبانہ:** مآل بزم شبانہ کا داغ ہے دل پر
چراغِ صُبح ہوں بے اختیار روتا ہوں

اختتام پذیر رات کی محفل کا حاصل۔ رات جب برباد ہو جاتی ہے اور شراب پینے کے بعد صبح جب ہوش آتا ہے تو کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

☆ **لالۂ رویانِ خرابات:** چھیڑ کر حور وشانِ حرم صُومعہ کو
لالۂ رویانِ خرابات کو خنداں کر دیں

شراب خانے کے شرابی، جن کے چہرے کثرت سے پینے کی وجہ سے سرخ ہو گئے ہیں۔

☆ **دخترِ رز:** نکال پردۂ مینا سے دخترِ رز کو
گھٹا میں کس کے لیے ماہتاب ہے ساقی

مراد انگوری شراب (لفظاً انگور کی بیٹی)

☆ **ساغرِ گل پوش:** نرگس و زہرہ و مہتاب کو حیراں کر دیں
باغ میں ساغرِ گل پوش کو رقصاں کر دیں

پھولوں سے ڈھکا ہوا پیالہ، مجازاً شراب سے بھرا جام۔ جس طرح محفل میں جام گردش کرتا ہے۔ اِسی طرح باغ گلشن میں پھولوں سے بھرے ڈھکے پیالے کو اس طرح گردش دیں کہ زہرہ، مہتاب و نرگس جام کی گردش دیکھ کر حیران ہو جائیں۔

☆ **رہینِ غم و محن:** جو شاد ماں تھے رہینِ غم و محن ہیں آج
رہینِ جورِ سپہرِ فساد پرور ہیں

مصیبتوں اور غموں کے پاس رہن رکھا ہوا، مراد ہے غموں اور مصیبتوں میں گھرا ہوا۔ جو کل تک خوش و خرم تھے، آج رنج و مصیبت میں گھرے ہوئے ہیں۔

☆ **حریفِ خندۂ فصلِ بہار:** حریفِ خندۂ فصلِ بہار بن کے رہو
دُعا ہے سب کی کہ آزاد و بامراد رہو

حریف کا مطلب مدِ مقابل۔ فصلِ بہار میں پھول کھلتے ہیں مسکراتے ہیں (اس جگہ دعا دی جا رہی ہے) کہ تم بہار کے پھولوں کے مدمقابل بن جاؤ اور ان سے زیادہ کھلتے اور مسکراتے رہو۔ خوشیاں تمھارے چاروں طرف رقصاں ہوں۔

☆ **بُعدِ مشکیں:** تری بُعد مشکیں ہے خواب بہاراں
تری زلف ہے سنبلستاں شیریں

محبوب کے سر کے بالوں کی لٹ کو بہار کے خواب سے اور لہراتے ہوئے کھلے بالوں کو سنبل کے بالوں سے تشبیہ دی ہے۔ سنبل کے بالوں کو دلکش کے بجائے شیریں کہہ کر انھیں بصارت کے بجائے ذائقے سے متعلق کر دیا گیا ہے۔

☆ **اسیر زمزمۂ آبشار:** دامن کہسار میں تمھیں اکثر
اسیر زمزمہ آبشار دیکھا ہے

پہاڑ کے دامن میں تمھیں اکثر جھرنوں کے گیتوں میں کھویا ہوا دیکھا ہے۔ آبشار کے گرنے کی آواز ساز پیدا کرتی ہے۔ ساز سے مدہوشی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور سننے والا اس کا اسیر ہو جاتا ہے۔

☆ **میکدۂ کاری چشم ونظر:** میکدہ کاری چشم ونظر، اک موج سراب
ارغواں زاریِ رخسار و دہاں، کچھ بھی نہیں

مے کدہ کاریِ چشم ونظر اور ارغوان زاری رخسار و دہاں، دونوں تراکیب نادر ہیں۔ چشم نظر سے پلانا بھی دھوکا اور بناؤ سنگھار سے مائل کرنا بھی بے کار۔

☆ **شمیم آبادِ گلشن:** شمیم آبادِ گلشن میں انھی ان کی حکومت ہے
مجھے تو کچھ انھی بیمار کلیوں سے محبت ہے

خوشبوؤں سے آباد چمن۔ باغ میں صبح کی ہوا پھولوں کی خوشبوؤں سے گلشن کو آباد کر دیتی ہے۔

☆ **گیسوئے خم بہ خم:** مکر و فریب عشق سے آہ لُبھا لیا اُسے
گیسوئے خم بہ خم میں ہائے کس نے پھنسا لیا اُسے

زُلفوں کے پیچ وخم۔

☆ **یاسمیں بستر:** وہ بستر، یاسمیں بستر، سراسر عنبریں بستر
مہک سے جس کی حورانِ جناں کو نیند آتی تھی

جن بستروں پر جنت کی حوروں کو بھی نیند آ جاتی ہیں، وہ بستر یاسمین اور عنبر کی خوشبوؤں میں بسے ہوتے ہیں۔

☆ **چشم مخزوں:** دلِ غم دیدہ کو غم سہنے کی عادت نہ رہی
چشمِ مخزوں میں لہو رونے کی ہمت نہ رہی

دل گیر یا غمگین آنکھ، دنیا بھر کے غموں اور دکھوں سے گزرا ہوا دل۔

☆ **کیفِ صہبائے غم روح:** میں نے یہ درد حسین آ کے سکھایا اس کو
کیفِ صہبائے غم روح بتایا اس کو

روح کو جو غم پہنچتے ہیں اس میں بھی ایک لذت ہے۔ لیکن یہ لذت ہر کوئی محسوس نہیں کرتا۔

شاعر کا درد کو حسین کہنا اور دوسرے کو دردِ حسیں سکھانا یقیناً بیان کی قدرت کا حامل ہے اور غمِ روح کی شراب کا مزہ بتانا بھی لاجواب ہے۔

☆ **چشمِ مے فروش:** اس چشمِ مے فروش کی تاثیر کیا کہوں
آنکھوں تک آج آ گئی پیمانہ آ گیا

شراب پلانے والی آنکھ یعنی وہ نظر جس سے شراب چھلکتی ہو جس کی نظر سے شراب چھلکے وہ اپنی آنکھوں سے نشہ پلاتا ہے اور پینے والا بدمست ہو جاتا ہے۔ فنا نظامی کا بڑا خوب صورت شعر ہے:

میں چلا شراب خانے جہاں کوئی غم نہیں ہے
جسے دیکھنا ہو جنت میرے ساتھ ساتھ آئے

☆ **نذرِ شعلۂ عُریاں:** پھر لبِ مینا سے چھلکائیں رسیلی بجلیاں
پھر متاعِ غم کو نذرِ شعلۂ عُریاں کریں

شاعر کہتا ہے آؤ آج پھر بوتل کے منہ سے رسیلی بجلیاں اپنے پیمانوں میں انڈیلیں اور متاعِ غم کو شعلۂ عریاں میں پھونک دیں یعنی زندگی کی تلخیوں کو شراب کی نذر کر دیں۔ شراب کو اس شعلہ سے تشبیہ دی ہے جو ہر غم کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے اور انسان ہر غم سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔

☆ **سفاکیٔ تبسمِ پنہاں:** بے باکی نگاہ ستم کیش کیا ہوئی
سفاکیٔ تبسمِ پنہاں کو کیا ہوا!

عشق جب معشوق کو متاثر کرتا ہے تو وہ بھی اپنی چوکڑیاں بھرنا بھول جاتا ہے۔ نہ باکیِ نگاہ ستم کیش سے کام لینا یاد رہتا ہے نہ زیرِ لب تبسم سے سفاکیاں کرنا۔ خوب صورت طنز ہے۔

☆ **دیدۂ مے گوں:** عارض گلرنگ سے گلزار برساتے ہوئے
دیدۂ میگوں سے مے خانے سے چھلکاتی ہوئی

نشیلی آنکھیں۔ گلاب رنگ رخساروں کے عکس سے فضا گلابوں بلکہ گلزاروں سے بھر جاتی ہے اور شراب رنگ آنکھوں کے اثر سے فضا میں پیمانے نہیں مے خانے چھلکنے لگتے ہیں۔

☆ **رنگِ طلسماتِ مجاز:** یعنی اِک روز جب اِس گھر سے چلے جانا ہے
جب کہ مٹ جانے کو ہے رنگِ طلسماتِ مجاز

یہ دنیا اپنے رنگ و نور اور آہنگ و سرور سے جنت نشان دکھائی دیتی ہے۔ دراصل جادو کا کارخانہ ہے اور ایک دن یہ طلسم ٹوٹنے والا ہے۔

☆ **حریفِ مہتاباں:** عظمتِ فقر کے رخشندہ جمالوں کی قسم
ذرے ذرے کو حریفِ مہِ تاباں کر دیں

چاند کے مدِ مقابل۔ وہ روشن کردار لوگ جنھیں دیکھ کر فقر کی عظمت دل میں بیٹھ جاتی ہے۔ روشن چاند کے مدمقابل۔

☆ **گل کوں سحاب:** بن کے نور ونکہت ومستی کا ایک گلگوں سحاب
جھومتی، اٹھتی، مچلتی، پھیلتی، چھائی ہوئی
گل رنگ بادل۔

☆ **طرز آرائش گل کوں کفناں:** گل بدن خلد کے حیراں ہیں کہ یارب کیوں کر
طرز آرائش گلِ گوں کفناں آتی ہے
خون سے رنگین کفن پہننے والوں کی طرح سجنے کا انداز۔ جیسے شہید کا کفن اس کے لہو کی سرخی سے سرخ ہوتا ہے۔

☆ **شعلۂ مینا نشیں:** ساقی کی چشم مست کا صدقہ ہے ورنہ شیخ
اختر کہاں، یہ شعلۂ مینا نشیں کہاں

اے شیخ! یہ تو ساقی کی چشم مست کا صدقہ ہے کہ وہ شعلہ جو ابھی بوتل میں بند ہے۔ مراد شراب جو حلق میں انڈیلی جائے تو حلق کو کاٹتی ہوئی جاتی ہے اور معدے میں آگ لگا دیتی ہے جب یہ شعلہ بوتل سے باہر آتا ہے تو شرابی کو پہلی بار آگ کی طرح محسوس ہوتا ہے مگر چار، چھے پیگ کے بعد وہ عادی ہو جاتا ہے۔

درحقیقت اختر کے کلام میں تراکیب سے جو جاذبیت اور دل کشی پیدا ہوئی ہے اسی نے انھیں اعلیٰ پائے کا رومانی شاعر بنا دیا ہے اس لیے کہ یہ تراکیب اپنے محل استعمال میں بڑی خوب صورت اور مرصع ہیں۔ جس سے اختر کے ذہن کی حُسنِ آفرینی اور مظاہر فطرت سے محبت ظاہر ہوتی ہے۔ اختر نے ان تراکیب کے ساتھ ساتھ تشبیہات واستعارات سے بھی اپنے کلام کو مزین کیا ہے۔

اختر کی تشبیہات میں رنگ ونور، ریشم وکمخواب کے انبار اور رواں دواں خیالات بادلوں کی طرح محسوس ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر ان کی ایک نظم ''تیتری'' میں تشبیہات واستعارات کا وافر دریا بہتا نظر آتا ہے۔

ننھی سی اک شعاع ہے طور کلیم پر سطح نسیم پر
رقاصۂ بہار کا فرش شمیم پر رقص پریدہ ہے
اک نوعروس کی نگہ انفعال ہے شرم وصال ہے
جیسے شعاع پر تو قوس ہلال ہے اور نو دمیدہ ہے

ان تشبیہ واستعارے سے اختر کی غایت کلام میں صرف حسن پیدا کرنا ہی نہیں ہے بلکہ وہ ایک لمسی کیفیت بھی پیدا کرنے کے لیے بھی تشبیہ واستعارات سے کام لیتے ہیں تا کہ قاری کے دل میں ایک ارتعاشی کیفیت پیدا ہو اور وہ اس میں بڑی حد تک کام یاب بھی ہیں۔

رومانوی شاعری میں اختر کا حصہ:

اختر نے اردو شاعری کے فرسودہ اور پامال مضامین کو موضوع کلام نہیں بنایا بلکہ عام ڈگر سے ہٹ کر زندگی کو تجربات کی بھٹی میں پھونک کر یہ مرتبہ اور مقام پایا۔ اختر کے ہاں عشق ایک ہمہ گیر اور کائناتی شے سے عبارت نظر آتا ہے۔ جو اُن کے بطن سے پھوٹتا

ہے۔بعض نقادوں کے نزدیک اختر کی شاعری کیٹس کی شاعری سے مماثل ہے۔کیوں کہ دونوں کے ہاں حیات کا تصور اور عشق کا انجام یکساں ہے اور دونوں حسن کے متلاشی ہیں لیکن اس کے باوجود نقاد ادب یہ بھی کہتے نظر آتے ہیں کہ اختر کے یہاں وہ گہرائی اور گیرائی مفقود ہے جو کیٹس کی شاعری کو بلندی پر لے جاتی ہے۔اختر شیرانی کے لیے یہ دو متضاد آرا درست نہیں کہی جاسکتیں اختر کا فنی شعور نہایت پختہ ہے وہ خلاؤں میں دور افتادہ بستیوں کی تلاش میں ضرور سرگرداں نظر آتا ہے مگر زندگی کے حقائق اور اس کی قدروں سے بے گانگی نہیں برتتا۔اس کی شاعری اس کے دلی جذبات کی صحیح ترجمان ہے۔وہ کیٹس کی طرح فلسفیانہ یا حکیمانہ انداز بیاں اختیار نہیں کرتا اور نہ کائنات کو کسی فلسفی کی نظر سے دیکھتا ہے بلکہ اس کی آنکھ ایک شاعر کی آنکھ ہے جس سے وہ کائنات کا مشاہدہ کرتا ہے۔اس کی زندگی مسرت نہیں بلکہ مسرت کی تلاش ہے اور سلمیٰ اس کے لیے مسرت کا سرچشمہ نہیں بلکہ ذریعہ ہے جو وہ سلمیٰ کے علاوہ عذرا، ریحانہ اور پروین سے بھی کشید کرتا ہے اور اسی مسرت کو بیان کرنے کے لیے وہ نادر نرالی تراکیب، استعارات وتشبیہات کا استعمال کرتا ہے۔

اختر نے اُردو رُومانوی شاعری میں بیش بہا اضافے بھی کیے اگر یہ کہا جائے کہ رومانیت کے اصل مفہوم کی اُردو شاعری میں اگر کسی نے صحیح نمائندگی کی ہے تو وہ اختر شیرانی ہیں ان کی شاعری میں جو وجد و کیف، لطف اندوزی، غنائیت اور موسیقیت ہے۔وہ اختر کی شاعری کو ہمیشہ زندہ رکھے گی۔رومانوی شاعر روایت ساز بھی ہوتا ہے اور روایت شکن بھی۔وہ کچھ روایات کو رد کرتا ہے اور کچھ نئی روایات کی طرح ڈالتا ہے کہیں قدیم روایتوں کی پاسداری کرتا ہے اور انھیں برقرار بھی رکھتا ہے لیکن یہ سب کچھ اس کے شعور پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ کن سے انحراف کرے اور کن کو برقرار رکھے۔اختر نے جس جرأت اور دلیری سے اپنی محبوباؤں کو مخاطب کیا اور ان کے حسن کے بیان میں تشبیہات کا ڈھیر لگا دیا وہ اس سے پہلے کسی شاعر کے یہاں نظر نہیں آتا ان کے یہاں بشری کمزوریوں کے تحت کہیں کہیں معاملات عشق میں ابتذالی کیفیت بھی پیدا ہوئی مگر انھوں نے اخلاقی اقدار کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔عشق میں بے باک و بیتاب ہونے کے باوجود وہ اِک پردہ نشیں کو صرف اس لیے سامنے نہیں لاتے کہ کہیں وہ بدنام نہ ہو جائے۔

اختر کی شاعری کے موضوعات انسان اور اس کے معاملات سے متعلق ہیں۔خیال انگیزی اور آرزومندی انسانی فطرت کے ایسے تقاضے ہیں جن سے انسان منہ نہیں موڑ سکتا یہ ابدی ہیں اور یہی ابدیت ہمیں اختر کی شاعری میں بھی نظر آتی ہے۔ہم میں سے کون ہے جو اپنے ذہن میں ایک ایسی دنیا نہیں بساتا جو اسے جینے پر اکساتی ہے۔دنیا کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجیے عظیم کارناموں کی جو فہرست ہے وہ خلاق ذہن کی ہی عطا کردہ ہے۔دنیا کا ہر چھوٹا بڑا انسان رُومانوی تخیل سے گزرتا ہے اور چند لمحوں کے لیے ہی سہی ذہنی آسودگی اور آرزومندی اور حسن آفرینی سے لطف اندوز ہوتا ہے۔آرزومندی کی یہ کیفیت فطرت انسانی سے وابستہ ہے جس سے زندگی میں آب و رنگ اور نکھار پیدا ہوتا ہے۔

اختر کی شاعری بھی ہمیں خواب آگیں فضا میں لطف اندوزی اور راحت فراہم کرتی ہے۔تخیل کی بلندی اردو شاعری میں کوئی نئی چیز نہیں لیکن اختر نے رُومانوی شاعری یا تخیل کی باگیں جس سمت موڑیں وہ بالکل نیا ہے۔انھوں نے بوسیدہ روایات سے

انحراف کرتے ہوئے نئی روایات کو قائم کیا۔عشق کی انسانی اقدار اور بے باک اظہارِ جرأت کو اختیار کیا اور اردو شاعری میں پہلی مرتبہ محبوبہ کو اس کے نام سے پکارا۔الفاظ وتراکیب کو نئی نئی معنویت عطا کی اور اپنی شاعری کو ترنم اور نغمگی سے مزین کیا۔ذہنی آسودگی اور نشاط کے لے ان کے کلام میں بڑا سرمایہ موجود ہے۔انھوں نے اعلیٰ انسانی اقدار کی پیروی کی ان کی شاعری قنوطیت کے بجائے رجائیت کی حامل ہے جس میں زندگی سے پیار ہی پیار ہے۔مصروفیت کے اس دور میں جب انسان کے پاس فرصت کے لمحات میسر نہیں کہ وہ محبوب کو جزِ جاں بنائے اختر کی شاعری اسے آسودگی فراہم کرتی ہے چاہے وہ چند لمحے ہی کیوں نہ ہوں۔پروفیسر آل احمد نے لکھا ہے کہ:

> ''اختر کی شاعری شباب اور اس کے رومان کی شاعری ہے کیا ہوا اگر ان کا جادو دیر تک نہیں رہتا ان کے ہاں جادو اور شاعری میں جہاں جادو ہے بڑی چیز ہے۔ اور جہاں جادو نہیں وہاں بڑی سے بڑی چیز بھی اس کی تلافی نہیں کر سکتی۔''[۷]

ڈاکٹر محمد حسن کی بھی رائے ہے کہ:''اختر ہندوستان کی جدید نسل کا عظیم ترین رومانوی ہے۔''[۸] جب کہ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی بھی رقم طراز ہیں کہ:''اختر شیرانی اردو کا نمائندہ رومان پسند شاعر ہے۔''[۹] اور

پروفیسر قوی احمد، اختر شیرانی کی شاعری کی بابت لکھتے ہیں کہ:

> ''اختر شیرانی نے شاعری میں اپنے محسوسات کا بے باکی سے اظہار کیا ہے ان کی شاعری اصلیت اور صداقت سے عبارت ہے۔ان کی شاعری میں لذت پسندی بھی ہے، ماورائیت بھی، انفرادیت بھی، انسانیت بھی، بت تراشی بھی ،مصوری بھی، موسیقی بھی اور بت شکنی بھی۔ان کے یہاں یکسانیت حال وخال، والہانہ پن اور بے خودی پائی جاتی ہے۔تراکیب سازی میں انھیں یدطولیٰ حاصل تھا۔ان کی تراکیب میں رومان، رس، نشہ، تشبیہات، غنائیت اور موسیقی ہے۔''[۱۰]

اختر نے اپنی حیات مختصر میں جو شعری ونثری کام کیے وہ اردو ادب کا بیش بہا سرمایہ ہے جنھیں یکجا کرنے کی اشد ضرورت ہے۔اختر کی شعری تخلیقات کے (نو) مجموعے ہیں: (۱) صبح بہار (۲) اختر ستان (۳) لالۂ نور۔(۴) طیور آوارہ ۵۰) شہناز (۶) شہہ زور (۷) نغمۂ آوارہ (۸) نغمۂ حرم (۹) پھولوں کے گیت۔

نغمۂ آوارہ ڈاکٹر یونس حسنی کا مرتب کردہ ہے جو انھوں نے مختلف رسائل وجرائد اخذ کر کے مرتب کیا ہے۔اردو زبان میں اطالوی صنف سخن ''سانیٹ'' جو براہ راست انگریزی سے اردو میں داخل ہوئی اور غزل اور نظم کے درمیان کل کی حیثیت رکھتی ہے۔اختر اس صنف میں مہارت رکھتے تھے۔سانیٹ ایک مشکل صنف سخن ہے لیکن اختر شیرانی نے اس میں بھی طبع آزمائی اور کامیابی سے ہم کنار ہوئے ان کے شعری مجموعوں میں سانیٹ بھی شامل ہے۔

الغرض اختر شیرانی کی شاعری کے مطالعے سے ان کے فن کے گوناگوں محاسن اور شاعری کے مختلف پہلو انھیں جدید اردو شاعری میں ایک جدید مقام عطا کرتے ہیں۔اختر نے اپنے زمانے کے قابل ذکر رجحانات کو اپنی شاعری میں سمو دیا۔ان کی شاعری میں ان کی زندگی کی تفسیر، اصلیت اور صداقت کے ساتھ دکھائی دیتی ہے۔انھوں نے سیاسی، معاشرتی اور اخلاقی موضوعات پر نظمیں

لکھیں جوان کی ذاتی زندگی اور عہد کی ترجمانی کرتی ہیں۔انھوں نے عورتوں اور بچوں کو بھی اپنی شاعری کا موضوع سخن بنایا۔خاص طور پر عورت کے احساسات کی خاص ترجمانی کی۔اختر نے اردو ادب کو ایک نیا ذہن دیا۔تخیل کی باگیں ایک نئی سمت موڑیں۔ان کی شاعری میں تخیل کی فراوانی،انفرادیت، ماضی پسندی، سادگی،فطرت سے لگاؤ، جمال آفرینی اور ہیئت میں تجربوں کی وہ تمام معنویت بدرجۂ اتم موجود ہے جو انگریزی رومانی شاعری کا حصہ ہیں مگر اختر نے ان سب سے استفادہ کرتے ہوئے اپنی الگ راہ نکالی اور اردو، فارسی اور عربی کے رومانی عناصر کو اپنی شاعری میں شامل کیا جس کی وجہ سے ان کی رُومانی شاعری اجنبیت سے دور ہے۔اختر نے رُومانوی شاعری میں گراں قدر اضافے کیے اور اُردو شاعری کو رومانیت کے اصل مفہوم سے روشناس کرایا۔حسین ولطیف تشبیہات سے اردو شاعری کو مالا مال کیا اپنے خلاّق ذہن سے نئی نئی تراکیب وضع کیں جو حسن آفرینی اور مفاہیم ومعانی سے بھرپور ہیں۔اختر ایک روایت شکن شاعر ہیں ان کا اسلوب نظم ونثر میں منفرد ہے۔ان کی شاعری کے اثرات ان کے شاگردوں کی صورت میں اُردو شاعری پر مرتب ہوئے۔ن۔م۔راشد احمد ندیم قاسمی،مرزا ادیب وغیرہ ایسے ادباء وشعراء ہیں جو خود اردو ادب میں ایک نام ومقام رکھتے ہیں۔
اختر کی نثری خدمات:

اختر کی نثری خدمات:

اردو شاعری میں اختر کو شاعر رومان کی حیثیت سے جانا اور پہچانا جاتا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ان کی رومانوی شاعری ہی ان کی شہرت کا سبب بنی لیکن یہ حیثیت نثر نگار کے بھی اختر کی ادبی حیثیت کسی طور کم نہیں ہے۔ناقدین ادب کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ کسی ادیب یا شاعر کی کسی ایک حیثیت کا اس قدر تذکرہ کرتے ہیں کہ اس شاعر یا ادیب کی دوسری جہات دنیا کی نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہیں۔اختر شیرانی بھی اسی صف میں شامل ہیں۔اختر کی رومانی شاعری پر اس قدر توجہ دی گئی کہ ان کی نثر نگاری عام لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئی۔اختر بڑے وسیع المطالعہ ادیب اور تنقیدی صلاحیتوں کے مالک تھے۔وہ ترجمہ نگاری کے فن میں بڑی مہارت رکھتے تھے ان کی زیرادارت شائع ہونے والے رسالوں میں ان کے عملی مضامین کثرت سے شائع ہوتے تھے۔وہ بیک وقت شاعر،ادیب، افسانہ نگار، مکالمہ نویس، ڈرامہ نویس، محقق اور صحافی تھے۔اختر کے مضامین کا اچھا خاصا سرمایہ اخبارات ورسائل میں منتشر حالت میں موجود ہے۔اگر اسے مرتب کرلیا جائے تو اختر کے علمی، ادبی، تحقیقی وتنقیدی مضامین کا ایک اچھا خاصا مجموعہ تیار کیا جاسکتا ہے۔آپ نے تقریباً ہر موضوع پر لکھا ہے۔افسانہ نگاری، انشاپردازی، طنز ومزاح، تحقیق وتنقید، مکتوب نگاری، صحافیت غرض کہ اختر ہر میدان میں اپنے نقوش قلم ثبت کیے ہیں۔

مکتوبات:

نثر کے حوالے سے ختر کے مکاتیب پر بات کی جائے تو ان کے مکاتیب کا پہلا مجموعہ ۱۹۳۴ء سے قبل مرتب ہو چکا تھا مگر بدقسمتی سے شائع نہ ہوسکا اور ان کی وفات کے تقریباً ۹ سال بعد ''اختر وسلمٰی کے خطوط'' کے نام سے شائع ہوا۔پروفیسر ڈاکٹر سید جاوید اقبال اختر کی مکتوب نگاری کے حوالے سے رقم طراز ہیں کہ:

''مکتوبات نیاز کی رومانیت اور حسن تحریر کی تعریف کی جاتی ہے۔لیکن اختر شیرانی کے خطوط کے بعض اجزاء حذف کر دیے جائیں تو ان کی حیثیت انشائیوں کی سی ہو جاتی ہے اور انھیں ادب لطیف کی بہترین تخلیقات کے مقابل رکھا جا سکتا ہے۔''[۱۱]

اختر شیرانی کے مکتوبات کی نمایاں خصوصیت ان کے اسلوب کی رعنائی و شگفتگی ہے جسے وہ نہایت خوب صورت اور دل نشیں پیرائے میں منتقل کرنے کی زبردست صلاحیت رکھتے ہیں۔آپ نے مکتوباتی فن کو اس عمدگی سے نکھارا کہ نثر میں نظم کا مزہ پیدا ہو گیا ہے جو رنگینی اور لطافت اختر کی شاعری کا خاصہ ہے وہی لطافت رنگینی بیاں، بے خودی، جدت، غرض ہر رنگ ان کی نثر میں بھی نمایاں نظر آتا ہے۔یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ یہ مکاتب ادب لطیف میں ایک بلند مقام پر رکھے جا سکتے ہیں۔ان مکاتیب کی سوانحی اعتبار سے بھی حیثیت مستحکم ہے۔اختر کی زندگی کی جیتی جاگتی تصویریں ان میں عیاں ہیں۔بے ساختگی اور اچھوتا پن اختر کے اسلوب کی جان ہے۔ان کے مکاتیب کا ایک نمونہ درج ذیل ہے:

''رات کو اچھی خاصی سردی پڑتی ہے۔کمیت و کیفیت کا اندازہ اس سے کر لیجیے کہ خوابیدہ جذبات میں ہلکا ہلکا سا تلاطم پیدا ہو جاتا ہے اور تصور میں تعبیر جرأت حریفانہ کے اِک نہ اِک حسین دامن ہاتھ آ جاتا ہے۔آپ کی زاہدانہ اور پارسانہ نگاہیں مجھے اس فقرے پر برہم نظر آ رہی ہیں مگر میں کیا کروں؟ موسم کا میقاس میرے نزدیک صرف جذبات کا مدوجزر ہے۔خواہ آپ کے تقدس خیال کچھ ہی فتویٰ دے، ہمارے پاس اس کے جیسا کوء جواب نہیں۔''[۱۲]

اختر کے غیر رومانی مکتوبات، رومانی مکتوبات کے مقابلے میں مختصر اور جامع ہیں جن میں نظم وضبط، شگفتگی اور خلوص کا بھرپور مظاہرہ ملتا ہے۔ان کے یہ مکتوبات زندگی کے نشیب وفراز، دوستوں اور شاگردوں سے تعلقات کا پتہ ہی نہیں دیتے بلکہ اختر شیرانی کے بدلتے مزاج اور ان کی زندگی کے مختلف رویوں کی نقاب کشائی بھی کرتے ہیں۔اختر شیرانی کی نثر کے شاہکار مکاتب ان کے وہ مکاتب ہیں جو انھوں نے سلمیٰ کو لکھے۔یہ مکاتب ''اختر و سلمیٰ کے خطوط'' کے نام سے خادم حسین بٹالوی نے مرتب کر کے گوشۂ ادب انارکلی لاہور سے شائع کیے تھے۔اختر شیرانی چوں کہ رومانی شاعر تھے اور رومانیت نے انھیں تخیل کی جو فراوانی عطا کی تھی وہ معاملات کو جذباتی انداز میں دیکھتی اور پرکھتی ہے اس لیے ان کے یہاں افادی پہلو سے زیادہ جمالیاتی پہلو کی رنگینیاں سراسر نظر آتی ہیں۔معاملات حسن و عشق کے باوجود یہ مکاتیب استبذال سے پاک ہیں۔اگرچہ یہ مکاتیب اختر کی زندگی میں مرتب نہ ہو سکے مگر اردو ادب کو ایسے گراں قدر نثر پارے ضرور فراہم کر گئے جن کی شیرینی اور ملاحت بڑی اثر انگیز ہے۔

صحافت:

اختر شیرانی کی نثر کا ایک اہم پہلو ان کی صحافت سے تعلق رکھتا ہے۔انتخاب، بہارستان، خیالستان اور رومان انھوں نے یکے

بعد دیگرے لاہور سے جاری کیے۔ آخری دو پرچوں کے مالک بھی اختر ہی تھے۔ انتخاب اردو کا پہلا ادبی ڈائجسٹ تھا جو کامیابی سے ہم کنار نہ ہو سکا اور چھے ماہ بعد اسے اختر شیرانی نے بہارستان میں تبدیل کر دیا۔ ان پرچوں کے ذریعے سے اختر شیرانی نے معیارِ صحافت کو بہت بلند کیا۔ اس دور میں ماہنامے صرف ادبی ہوتے تھے۔ اختر نے ان رسائل کے ذریعے علمی، ادبی، تحقیقی، تاریخی، سائنسی اور معلوماتی مضامین کو نمایاں طور پر اجاگر کیا جو یقیناً ادب میں ایک تاریخی حیثیت رکھتے ہیں اس کے علاوہ ہمایوں لاہور، گل فروش لاہور، گل بہار لاہور، نو بہار لاہور اور شاہکار لاہور کے بھی مدیر رہے۔ ہمایوں اور شاہکار کو بڑے ادبی پرچوں کی حیثیت حاصل تھی اور اس کی ادارت کرنا ہی اختر کی نثری صلاحیتوں کا بین ثبوت ہے۔ اختر نے میدان صحافت میں بڑا اہم اور نمایاں کام انجام دیا۔ کئی پرچوں کی ادارت کرنا بذات خود بڑا کام ہے۔ ان کی ادارت میں نکلنے والے پرچوں نے اردو صحافت کا اعلیٰ ادبی معیار قائم کیا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اردو میں ڈائجسٹ کی روایت کو اختر شیرانی نے فروغ دیا اردو صحافت کا مزاج چوں کہ ادبی تھا اس کا رخ علم و ادب کی طرف پھیرنے میں اختر کا بڑا ہاتھ ہے وہ ان مخلص صحافیوں میں شمار کیے جا سکتے ہیں۔ جنھوں نے صحافت کو ہمیشہ بوجھ سمجھنے کے بجائے ایک مشن سمجھا۔

اختر جو پرچے نکالتے تھے ان میں اپنی نثری نگارشات بھی شامل کرتے تھے۔ ان مضامین میں تحقیقی، علمی، ادبی، معلوماتی اور عام دل چسپی کے مضامین کے ساتھ ساتھ طبع زاد مضامین اور ترجمے بھی اختر کی دل چسپی کا باعث تھے۔ موضوع کے انتخاب اور تقاضوں سے وہ بخوبی واقف تھے ان مضامین میں بھی ان کا اسلوب اور رنگینی و رعنائی کو ملاحظہ کیا جا سکتا ہے لیکن تحقیقی و علمی مضامین میں ان کا سنجیدہ اور پروقار اور راست انداز ان کے والد محترم حافظ محمود شیرانی کے طرزِ تحریر کی یاد دلاتا ہے ان مضامین میں اختر شیرانی کا اسلوب ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی محقق انسانی دقیق مسائل پر اپنے علم کے دریا بہا رہا ہے۔

تراجم:

طبع زاد مضامین کے علاوہ اختر نے بعض معلوماتی اور مفید مضامین کے تراجیم بھی کیے۔ مختلف زبانوں کے مضامین کے تراجم میں اختر نے اس بات کا خیال رکھا ہے کہ ترجمے سے اصل زبان کے تقاضوں کے علاوہ اردو کا مزاج بھی نمایاں رہے تاکہ لب و لہجہ میں اجنبیت محسوس نہ ہو۔ ایک مثال ''بہارستان لاہور'' کے شمارہ جون سے ملاحظہ ہو۔ مضمون کا نام ''اے وادیِ نیل'' ہے

> ''اے مصر! اے آسمان جاہ، اہراموں کی سرزمین! اے سدا بہار وادی نیل!!! تو بیسوں قوموں کا گورستان ہے! ہاں تو سینکڑوں ظالموں اور ستم گروں کا مدفن ہے جو ترے عزیز باشندوں پر ترے محبوب فرزندوں پر ظلم کرے گا اس سے ایک نہ ایک دن ضرور انتقام لیا جائے گا۔''[۱۳]

اختر بامحاورہ ترجمہ کرتے ہیں تو ترجمے کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ یہ ترجمہ بالکل اردو کے اسلوب میں رنگا ہوا نظر آتا ہے۔ تراجم شدہ مضامین کے علاوہ مختلف رسالوں میں شذرات، اداریے اور تبصرے بھی اختر کی نگارشات میں شامل ہیں۔ ان تمام کی نوعیت متعلقہ

شمارے کی بابت تعارف اور دنیا کے حالات وکوائف پر تبصروں یا متعلقہ شمارے میں شامل مضامین کی توضیح ہوتی تھی۔ یہ وقتی دل چسپی کی چیزیں ہوتی تھیں۔ اس لیے ان کی علمی وادبی اہمیت اگر چہ بہت زیادہ نہیں ہے لیکن یہ اس حوالے سے اہم قرار دیے جاسکتے ہیں۔ کہ اس دور کے صحافتی معیار، ادبی ذوق، علمی تحریکات اور ادب کو سمجھنے میں ہماری مدد کرتے ہیں۔

فکاہیہ مضامین:

اختر شیرانی کی نثر کا ایک اور پہلو ان کے فکاہیہ مضامین پر بھی مشتمل ہے۔ اختر اپنی ادارت میں نکلنے والے پرچوں میں مزاحیہ کالم بھی لکھا کرتے تھے ان کالمز میں ان کا فرضی نام ''ملا فرمان'' تھا۔ ڈاکٹر یونس حسنی اگر چہ اس نام کو یقینی قرار نہیں دیتے مگر جو بے نام مضامین اس ذیل میں شائع ہوئے ہیں وہ اختر کے طرز اسلوب کی نشان دہی کرتے ہیں۔ ''بہارستان'' میں ''ضاحک'' کے فرضی نام سے مطائبات کا کالم بھی داخلی شہادتوں کی بنا پر اغلب خیال ہے کہ اختر بھی لکھا کرتے تھے ڈاکٹر یونس حسنی نے ''زمیندار'' میں ''عکاس'' کے فرضی نام سے اختر کے مزاحیہ وطنزیہ کالم کی بھی نشان دہی کی ہے۔

نظم کی طرح نثر میں بھی اختر کا اسلوب بڑی حد تک الفاظ وتراکیب کا مرہون منت ہے۔ وہ شیریں، رواں اور سبک الفاظ استعمال کر کے حسین ودلنواز تراکیب سے نثر وہ رنگ اور رعنائی پیدا کرتے ہیں جو اس کو نظم کو ہم پلہ کر دے۔ ذیل کا اقتباس اختر کی تحریر میں ادب لطیف کی خصوصیات کو ظاہر کرتا ہے۔

> ''ہوا کی تحریک سے دامن گل برگ پر لرزے والے قطرہ شبنم کی طرح سینہ میں دل، آنکھ میں آنسو، دماغ میں تخیل اور ہاتھ میں قلم کانپ رہا ہے۔ تھرتھرا رہا ہے تم سے خطاب کرنا تمھاری حسن ونازک ورعنا ہستی سے خطاب کرنا، اس ویران وبے کیف دنیا میں اس دنیا کی تلخ وناگوار زمینوں میں اِس سے زیادہ لذیذ اور رنگین وروشن خوش نصیبی اور کیا ہوسکتی ہے؟ آہ اس کے تصور میں مرجانا ہی حسین ترین خوش نصیبی ہے۔ مگر آہ! زمانے کی ستم پیشگی کو کس زبان سے بددعا دوں، جس نے میرے دل کو زخمی، میرے دماغ کو ماؤف، میرے جذبات کو مجروح اور میری حسیات کو ذبح کر کے ہلاک کر کے رکھ دیا ہے۔ میں تم سے اِس طرح مہجور ورنجور اور تم مجھ سے اتنی دور اس قدر دور..... آہ! قسمت کی کوتاہیاں، ہائے فطرت کی ستم آرائیاں۔''[۱۴]

اس اقتباس سے الفاظ کی معنویت، لطافت اور خوب صورتی تحریر میں نمایاں نظر آتی ہے۔ اختر عام طور پر نظم کی طرح نثر میں بھی حسین تراکیب سے کام لے کر نثر کو ادب لطیف کے ذیل میں شامل کر دیتے ہیں۔ ان کی نثری تراکیب عام طور پر یہ ہیں:

حرام نگاریاں، دامن گل برگ، قطرۂ شبنم، وحشت نگاریاں، ستم آرائیاں، مے خانہ چکانی، مے خانہ حسن وشباب، حزیم ادب، فطرت سرائیاں، حور مہجور ورنجور، برق جمال، مجسمہ نور، حرام نگاریاں، گوہر شب چراغ، گل کدہ حیات، رسوا جمالیاں وغیرہ۔

ان خوب صورت تراکیب کے استعمال نے اختر کا وہ مخصوص اسلوب بنایا ہے جس پر نظم کے گہرے اثرات نمایاں ہیں۔

تحقیقی کام:

علمی وادبی اور محققانہ تحریروں کے لیے اختر کا اندازِ نگارش واضح ،سلجھا اور دوٹوک ہے۔اختر یہ بات بخوبی جانتے تھے کہ موضوع کے مطابق زبان کی تبدیلی از حد ضروری ہے اور علمی وادبی مضامین سنجیدگی ومتانت اور گہرائی وگیرائی کا تقاضا کرتے ہیں۔اختر کی نثری خدمات میں دیباچے،مقدمے اور پیش لفظ بھی شامل ہیں جو وہ مختلف کتابوں پر لکھتے رہے جن میں ''ادبستان'' کا مقدمہ جوامع الحکایات ولوامع الحکایات،عبدالکریم ثمر کی پنجابی نظموں کے مجموعے'' لگراں'' پر دیباچہ،''بڑے آدمیوں کا عشق'' کا پیش لفظ ۔ اختر شیرانی کے مضامین میں بھی ان کا تحقیقی ذوق نمایاں نظر آتا ہے۔اس حوالے سے ان کے دو مضامین قابل ذکر ہیں۔''ایک صدی پہلے کا ایک ہندوستانی سیاح انگلستان میں'' اور دوسرا ایران کا ایک دل چسپ سفر شامل ہے۔اوّل الذکر سفر نامہ''یوسف خان کمبل پوش'' کا ہے جو''عجائبات فرنگ'' کے نام سے بھی معروف ہے۔اختر نے ایک تعارفی مضمون اس سفر نامہ پر لکھا جس سے اس سفر نامے کی حیثیت مزید مستحکم ہوگئی۔آخر الذکر تحقیقی مضمون''محمد رضا بیگ'' کے متعلق ہے اس مضمون میں محمد رضا بیگ کی سفارتی سرگرمیوں اور شخصیت کا احوال ہے۔اختر کی دل چسپی کا ایک اور میدان لغت وزبان سے دل چسپی ہے۔الفاظ کے صحیح تلفظ،معنی اس کی تبدیلیوں اور ان کے محل استعمال پر ان کی نظر بڑی گہرائی وگیرائی سے پڑتی ہے اختر نے خواجہ عبدالحمید کی''جامع اللغات'' کی تدوین کی اور بہ حیثیت ایڈیٹر خواجہ صاحب کی معاونت کی۔خواجہ صاحب نے لغت کے مقدمے میں تہہ دل سے اظہار تشکر کا اظہار کیا ہے۔

''انتخاب لاہور'' میں انھوں نے''فقہ اللغت'' کے عنوان سے الفاظ کے مادوں اور ان کی معنوی تبدیلیوں کے بارے میں تحقیقی مواد پیش کرنا شروع کیا مگر افسوس کہ یہ سلسلہ دراز نہ ہوسکا ورنہ ایک تنہائی مفید چیز اردو ادب کا حصہ بن جاتی۔اختر شاعرات اردو کا ایک تذکرہ بھی مرتب کرنا چاہتے تھے مگر کسی سبب یہ تذکرہ بھی مرتب نہ ہوسکا۔اختر نے عربی کے مشہور ناول نگار علامہ جرجی زیدان کے ناول''صلاح الدین ومکاہد الحشاشن'' کا ترجمہ''سنہری گیسو'' کے نام سے شروع کیا جن کی چند اقساط ماہ نامہ''کیف اجمیر'' میں شائع ہوئی تھیں۔اس ناول کا اختر نے بڑا محاورہ شستہ ترجمہ کیا تھا مگر تین چار قسطوں کے بعد یہ ناول بھی بند ہوگیا۔اختر نے ایک طبع زاد ناول''دنیائے شباب'' بھی لکھنا شروع کیا تھا لیکن یہ ناول بھی ناگزیر وجوہات کی بنا پر نامکمل رہا۔

ڈراما:

ڈرامے کے تراجم بھی اختر نے کیے۔ایک''مطعون پیغمبر کے نام'' سے اختر نے ایک ڈرامہ لکھا مگر اسے بھی نہ نبھا سکے۔اختر کا ایک غیر مطبوعہ اور نامکمل ترجمہ''رچرڈ آف بیڈوا'' کا ترجمہ ہے یہ آسکر وائلڈ کے ڈرامے کا ترجمہ ہے۔پورا ڈرامہ پانچ ایکٹ پر مشتمل ہے۔اختر نے صرف ایک ایکٹ کا ترجمہ کیا تھا اگر یہ ترجمہ بھی مکمل ہوجاتا تو ایک اہم چیز اردو ادب کا حصہ بن جاتی۔

''مجمع البحرین ومطلع السعدین'' کی ترتیب میں بھی اختر شیرانی نے حصہ لیا۔[۱۵]

''مجموعہ نغز'' مرتبہ حافظ محمود شیرانی کی تیاری میں بھی اختر نے معاونت کی۔[۱۶]اختر کی نامکمل نگارشات مختلف رسالوں، کتابوں اور مسودات کی صورت میں موجود ہی۔

افسانہ:

اردو افسانے کی بھی اختر شیرانی نے قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔ان کے طبع زاد افسانوں میں بھی رومانیت کی جھلک موجود ہے۔دنیا کی مختلف زبانوں کے اچھے افسانوں کو اختر نے اردو کے قالب میں ڈھالا۔ترکی، جرمنی، فارسی، انگریزی، فرانسیسی، روسی، بنگلہ زبان کی کہانیوں کے تراجم ان کے افسانوی مجموعے ''دھڑکتے دل'' میں موجود ہیں۔اپنے عہد کے نوجوان، ڈرامہ نگاروں کے شاہکار ڈراموں کا انتخاب شائع کیا اور خود بھی ڈرامے لکھے اور تراجم بھی کیے۔اختر کی نثری تالیف و ترجمہ اور تصانیف کی تفصیلات درج ذیل ہیں۔

۱۔ ضحاک، سامی بے کے ترکی ڈرامے کا ترجمہ، ۱۹۳۰ء۔

۲۔ آئینہ خانے میں، افسانوی خاکے، ۱۹۳۴ء۔

۳۔ دھڑکتے دل، افسانے، ۱۹۴۶ء۔

۴۔ جوامع الحکایات ولوامع الحکایات، ترجمہ و مقدمہ، ۱۹۴۳ء۔

۵۔ وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھا، ڈرامے، ۱۹۴۶ء۔

۶۔ اختر و سلمیٰ کے خطوط، مکاتیب، ۱۹۵۷ء۔

اختر شیرانی کی نثری خدمات کے حوالے سے ڈاکٹر یونس حسنی رقم طراز ہیں کہ:

> ''نظم تو چلتے پھرتے لکھی جا سکتی ہے۔شعر القاء کا پابند ہے اور یاد رہ جاتا ہے مگر نثر لکھنے کے لیے کاغذ قلم کا موجود ہونا نشست کی عادت اور فکر کی فرصت سبھی کچھ درکار ہوتا ہے۔ایک ایسا شخص جس کی زندگی کے شب و روز مے نوشی و مدہوشی میں گزرے ہوں۔تعجب ہے کہ نثر نگاری اور پھر لغت نویسی اور تدوین نسخہ جات جیسے بے لطف اور دقت طلب کام کو کیسے انجام دے سکا۔اگر مذکورہ ۲۶ سالوں میں سے ایک تہائی وقت سونے اور ضروریات زندگی پوری کرنے کے لیے نکال دیا جائے تو صرف ساڑھے سترہ سال رہ جاتے ہیں اجن کا نصف حصہ عالم مدہوشی کی نذر ہو گیا۔گویا کل نو سال میں وہ نثر نگاری کا کام انجام دے سکے اور یہ کام مقدار اور معیار دونوں کے اعتبار سے قابل اعتبار ہے۔آج ان کی نثر اپنی ادبی حیثیت سے قطع نظر ایک تاریخی حیثیت کی حامل ہے۔ایک البیلا رومانی شاعر اپنے پیچھے علمی، ادبی اور صحافتی تحریروں کا ایک ضخیم سرمایہ چھوڑ گیا ہے جو حیرت انگیز بھی ہے اور قابل رشک بھی۔کیوں کہ اس میں خالص علمی ادبی اور صحافتی و معلوماتی ہر قسم کی تحریریں موجود ہیں۔''[۱۷]

ڈاکٹر یونس حسنی کی اختر شیرانی کے حوالے سے یہ رائے انتہائی قیمتی تصور کی جانی چاہیے کہ اس شاعر بے بدل نے اپنی مختصر حیات میں ادبی لحاظ سے مقدار اور معیار دونوں کے لحاظ سے کس قدر گراں قدر کام کا سرمایہ چھوڑا ہے جو نظم و نثر پر مشتمل ہے۔اختر شیرانی کی ادبی زندگی کا باقاعدہ تعین ۱۹۲۱ء سے کیا جائے تو وہ اس وقت سولہ سال کے تھے ان کا انتقال ۱۹۴۸ء میں ۴۲ سال کی عمر میں ہوا۔اگر تخمینہ لگایا جائے تو انھوں نے اپنی ادبی زندگی کل ۲۶ سال گزاری۔اس مختصر ادبی زندگی میں انھوں نے نو شعر مجموعے اور چھے

نثری کتب تحریر کیں۔ بے شمار نثری مضامین اور ان سے متعلق تحریریں، صحافت سے وابستگی، مکتوب نگاری، افسانہ نگاری، شذرات، دیباچے، پیش لفظ، ڈرامے، تراجم، تحقیقی کام، انشاء پردازی، طنز ومزاح، شاعری۔ غرض یہ کہ ان کی کتنی جہات کا ذکر کیا جائے۔ اختر اپنے آپ میں ایک عہد تھے اگر چہ ان کو شہرت و ناموری ان کی رومانی شاعری سے حاصل ہوئی۔ مگر جب نظم کی طرح نثر میں بھی وہ صاحب اسلوب اور صاحب طرز ادیب تھے اختر کا بہت سا علمی، ادبی کام شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا لیکن اس سلسلے میں اختر نے جتنا بھی کام کیا وہ اردو اب کا سرمایہ ہے۔ اردو کے دامن کو وسیع کرنے، افسانوی ادب میں نئے نئے امکانات اور راہیں تلاش کرنے، نئی راہوں کی نشان دہی کرنے اور تخیل کو ایک نئی سمت گامزن کرنے میں یقیناً اختر نے جو کوششیں کیں وہ بڑی حد تک بار آور ثابت ہوئیں۔ اختر نے مختلف زبانوں کے افسانوں اور ڈراموں کے تراجم میں غیر معمولی دل چسپی ظاہر کر کے اپنی دور کے میلانات کی ہم نوائی کا فرض ادا کیا ہے۔

اردو ادب میں اختر شیرانی کا مقام:

اختر شیرانی کی نظم ونثر کے مطالعے کے بعد اردو ادب میں ان کا مقام متعین کیا جا سکتا ہے۔ ان کے فن کے گونا گوں محاسن اور شاعری کے مختلف پہلو انھیں جدید اردو شاعری میں ایک جدید مقام عطا کرتے ہیں۔ اختر نے اپنے زمانے کے قابل ذکر رجحانات کو اپنی شاعری میں سمو دیا۔ ان کی شاعری میں ان کی زندگی کی تفسیر اور اصلیت اور صداقت دکھائی دیتی ہے۔ انھوں نے سیاسی، معاشرتی اور اخلاقی موضوعات پر نظمیں لکھیں جو ان کی ذاتی زندگی اور عہد کی ترجمانی کرتی ہیں۔ انہوں نے عورتوں اور بچوں کو بھی اپنی شاعری میں موضوع سخن بنایا۔ خاص طور پر عورت کے احساسات کی خاص ترجمانی کی۔ اختر نے اردو ادب کو ایک نیا ذہن دیا۔ تخیل کی باگیں ایک نئی سمت موڑیں۔ ان کی شاعری تخیل کی فراوانی، انفرادیت، ماضی پسندی، سادگی، فطرت سے لگاؤ، جمال آفرینی اور ہیئت میں تجربوں کی وہ تمام معنویت بدرجۂ اتم موجود ہیں جو انگریزی رومانی شاعری کا حصہ ہیں مگر اختر نے ان سب سے استفادہ کرتے ہوئے اپنی الگ راہ نکالی اور اردو، فارسی اور عربی کے رومانی عناصر کو اپنی شاعری میں شامل کیا جس کی وجہ سے ان کی رومانی شاعری اجنبیت سے دور ہے۔ اختر نے رومانی شاعری میں گراں قدر اضافے کیے اور اردو شاعری کو رومانیت کے اصل مفہوم سے روشناس کرایا۔ حسن ولطیف تشبیہات سے اردو شاعری کو مالا مال کیا اپنے خلاف ذہن سے نئی نئی تراکیب وضع کیں جو حسن آفرینی اور مفاہیم ومعانی سے بھرپور ہیں۔ اختر ایک روایت شکن شاعر ہیں ان کا اسلوب نظم ونثر میں منفرد ہیں۔

حیات مختصر بے انتہا شراب نوشی، رومانی شاعری سے شغف اور احباب کے مشاغل اور مصروفیات کو اختر کی زندگی میں ملاحظہ کیا جائے تو حیرت ہوتی ہے کہ اردو ادب کے ہر دائرے میں انھوں نے جو یادگاریں چھوڑیں ہیں وہ قابل قدر ہیں۔ انشاء پرداز کی حیثیت سے وہ ایک منفرد اور اعلیٰ مقام کے حامل نظر آتے ہیں۔ علمی وتحقیقی میدان میں بھی

ان کے کارنامے ایسے نہیں کہ ان سے صرف نظر کیا جائے۔ اردو صحافت ان کی خدمات کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتی اور یقیناً اس قدر مختلف اور متضاد دائروں میں اختر کا تھوڑا مگر انتہائی اہم کام یقیناً اختر شیرانی جیسے مجموعۂ کمالات اور یگانہ روزگار شخص کا بھی ہو سکتا ہے جس نے اس مختصر زندگانی میں اردو ادب کو اپنی مختلف النوع جہات سے مالا مال کیا جس پر اردو ادب ہمیشہ نازاں رہے گا۔

حواشی:

۱۔ ڈاکٹر یونس حسنی، ''اختر شیرانی اور جدید اردو ادب'' اشاعت ثانی، انجمن ترقی اردو پاکستان، ۲۰۰۹ء، ص ۱۷۔
۲۔ ایضاً، ص ۲۲
۳۔ ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی، ''اختر شیرانی ایک باغ و بہار شخصیت'' مضمون مشمولہ ''مجلّہ، اختر شیرانی''، اکتوبر ۲۰۰۲ء، ص ۳۔
۴۔ ایضاً، ص ۲۷۔
۵۔ ایضاً، ص ۶۔
۶۔ اختر کی شعری تخلیقات کے (نو) مجموعے ہیں: صبح بہار، اختر ستان، لالۂ طور، طیورِ آوارہ، شہناز، شہر رود، نغمۂ آوارہ، نغمۂ حرم، پھولوں کے گیت۔
۷۔ اختر شیرانی اور جدید اردو ادب، ص ۳۴۴۔
۸۔ ایضاً۔
۹۔ ایضاً، ص ۳۴۲۔
۱۰۔ پروفیسر قوی احمد، ''محمد داؤد خاں اختر شیرانی'' مضمون مشمولہ مجلّہ اختر شیرانی، اکتوبر ۲۰۰۳ء، ص ۲۲۔

فہرستِ اسنادِ محوّلہ:

۱۔ اختر شیرانی: ۱۹۳۹ء، ''نغمۂ حرم''، مکتبۂ اردو، لاہور۔
۲۔ _____: ۱۹۴۱ء، ''شعرستان'' اُردو اکیڈمی پنجاب، لاہور۔
۳۔ _____: ۱۹۴۴ء، ''صبحِ بہار''، آئینہ ادب، لاہور۔
۴۔ _____: ۱۹۴۶ء، ''اختر ستان''، کتاب منزل، لاہور۔
۵۔ _____: ۱۹۴۶ء، ''طیورِ آوارہ''، کتاب منزل، لاہور۔
۶۔ _____: ۱۹۴۶ء، '' لالۂ طور''، کتاب منزل، لاہور۔
۷۔ لطیف ساحل: ۱۹۹۵ء، کلیاتِ اختر شیرانی، منتخبات ''اے عشق کہیں لے چل''، الحمد پبلشرز، لاہور۔
۸۔ محمد حسن، ڈاکٹر: ۱۹۹۳ء، ''اُردو ادب میں رومانوی تحریک''، کاروانِ ادب، ملتان۔
۹۔ کاظمی، محمد رضا: ۲۰۰۷ء، ''انتخابِ کلام اختر شیرانی''، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، لاہور۔
۱۰۔ یونس حسنی، ڈاکٹر: ۲۰۰۲ء، ''نگارشاتِ مضامین اختر''، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، لاہور۔
۱۱۔ _____: ۲۰۰۹ء، ''کلیاتِ اختر شیرانی''، بک ٹاک پبلشرز، لاہور۔
۱۲۔ _____: ۲۰۰۹ء، ''اختر شیرانی اور جدید اردو ادب''، انجمن ترقی اردو، کراچی۔

رسائل و جرائد:

۱۔ ماہ نامہ ''بہارستان''، نومبر ۱۹۲۶ء، جنوری ۱۹۲۷ء، فروری ۱۹۲۷ء، اپریل ۱۹۲۷ء، مارچ ۱۹۳۱ء۔
۲۔ ماہ نامہ ''خیالستان''، جولائی ۱۹۳۰ء، اگست ۱۹۳۰ء، جنوری ۱۹۳۱ء، فروری ۱۹۳۱ء، مارچ ۱۹۳۱ء۔
۳۔ ماہ نامہ ''رومان''، اپریل ۱۹۳۷ء۔
۴۔ مجلّہ ''اختر شیرانی''، ۲۰۰۲ء، زیر اہتمام: اختر شیرانی میموریل سوسائٹی کراچی۔
۵۔ سہ ماہی ''سورج''، سال نامہ، ۲۰۰۶ء، لاہور، پاکستان۔